إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

خصوصی نمبر

بیادگار

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین شاہ سید محمد باقر قادری رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۳۲۸ھ سنہ ۱۴۱۵ھ

سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۳۳واں شمارہ

اللطیف

زیر حمایت و سرپرستی

شیخ المشائخ اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر رضا صاحب قادری

رحمۃ اللہ علیہ، سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور

مدیر مؤسس

حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء

بروز پنجشنبہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ مطابق 12ر ماہ جنوری 1995ء

زیرِ نگرانی:

⊙ مولانا مولوی سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف فصیح پاشاہ ایم۔ اے،
بی کام؛ (عثمانیہ) ادیبِ فاضل (مدراس) ناظمِ دار العلوم لطیفیہ ویلور

⊙ مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری عرف ہلال پاشاہ
ادیب فاضل (مدراس) نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور

زیرِ ادارت:

⊙ مولانا مولوی پی۔ محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی قادری۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ

⊙ مولانا مولوی حافظ ابو النعمان شبیر الحق قریشی قادری۔ مدرس دار العلوم لطیفیہ

نمائندگانِ طلباء:

- ۱ ایم۔ بی۔ شیخ فضل اللہ — زمرۂ سادسہ
- ۲ سید جمال اللہ قادری کڈپوی — زمرۂ سادسہ
- ۳ صابر احمد بلگام — زمرۂ سادسہ
- ۴ وی۔ کے۔ ابوبکر — امنکاڈ۔ ملاپورم: کیرلا
- ۵ محمد شہاب الدین گنگاوتی — شعبۂ حفظ
- ۶ شیخ محبوب پاشاہ ملباگل — شعبۂ حفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین اللطیف — 1995ء

رباعیات

هُوَ الباقی

واجب ہی کو ہے دوام باقی فانی
قیوّم کو ہے قیام باقی فانی
کہنے کو زمین و آسمان سب کچھ ہے
باقی ہے اُسی کا نام باقی فانی

روضۃ النبی ﷺ

ہیں خاتمِ عشق کا نگینہ آنکھیں
ہیں بحرِ محبت کا سفینہ آنکھیں
ہیں گنبدِ پُرنور کی صورت بالکل
کعبہ ہے اگر دلِ تو مدینہ آنکھیں

وحدتُ الوجود

ذرّہ ذرّہ میں ہے خدائی دیکھو
ہر بت میں ہے شانِ کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم
ہر ایک میں ہے مگر اکائی دیکھو

حضرت امجد حیدرآبادی

غزل

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربی رحمۃ اللہ علیہ

کسی کا عشق ہیں پروانہ کرنا
شمع پر نہ کے دل پروا نہ کرنا

یو ملکِ دل کتنیں تسخیر کرنے
شکر لب خط ترا پروا نہ کرنا

ہوا ہیں عشق کے پرواز کرنا
یو مرغِ دل کی کیوں پروا نہ کرنا

براہ کی راہ ہیں دِل جمع ہونے
انجو دیدان سوں دانہ دانہ کرنا

سخن کرنے کوں عرفاں کے مزہ سوں
جہاں ہیں آپ کوں دیوانہ کرنا

انا الحق بول کر معذور ہونے
اپس کوں خلق ہیں مستانہ کرنا

جہاں ہیں غیر حق نیں دل کو اپنے
انا اللہ بولنے مردانہ کرنا

انا اللہ ہور انا فاعل کتا ہوں
تو کس کوں حق سوں بیگانہ کرنا

اگر کاناں ہیں دلبر کے کرے جا
سخن قربی ترا دردانہ کرنا

پیشکش
مولانا سیدہ شاہ ہلال احمد صاحب قادری المعروف ہلال پاشاہ
ادیبِ فاضل، نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان۔ ویلور

افتتاحیہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے اور اس نے انسانی فطرت و طبیعت کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں میں واضح رہنمائی کی ہے۔ جہاں اس نے عقائد، عبادات اور اخلاقیات کی تعلیم دی وہاں معاملات، معاشیات اور اقتصادیات کے متعلق بھی صاف صاف ہدایات دی ہے تاکہ انسان خوش حالی اور فارغ البالی کے ساتھ پُرمسرت زندگی گزار سکے، یہی وجہ ہے کہ اس نے تجرّد، ترکِ دنیا اور رہبانیت کو شجرِ ممنوعہ قرار دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے اپنے متبعین کو معاشی حیوان نہیں قرار دیا کہ وہ زندگی کی ساری تگ و دو اور جد وجہد صرف دولت و ثروت، مال و اسباب اور عیش و تنعم کی تحصیل میں صرف کردے۔ اور مادّہ پرستی اور مفاد پرستی کا سراپا مجسّم بن جائے۔ اسلام دنیا کمانے میں استفادہ اور افادہ پر مبنی اصول اور اعتدال و توازن کی راہ پر گامزن رہنے کی تعلیم و تلقین کی تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کاروان صرف طلبِ منفعت اور ذاتی فائدہ کی روش پر نہ چلے۔ بلکہ دوسروں کی ضروریات کی تکمیل، ایثار و قربانی اور داد و دہش کے جذبات و احساسات کے ساتھ رواں دواں رہ سکے۔ اور لوگوں کے اندر اپنی آپ مدد کا حوصلہ و ہمت اور حرکت و عمل کا جذبہ زندہ رہ سکے اور دوسروں کی اعانت و امداد کا مزاج بھی باقی رہ سکے۔ اسوۂ نبوی ﷺ میں دونوں پہلوؤں کی نشان دہی موجود ہے۔

ایک پہلو یہ ہے کہ:

ایک صاحب بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور کچھ امداد کے طالب ہوئے تو آپ صلعم نے پوچھا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ انھوں نے عرض کیا: میرے پاس ایک ٹاٹ اور

ایک پیالہ ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ جاؤ، اسی پیالہ اور ٹاٹ کو لے آؤ۔ جب یہ چیزیں پیش ہوئیں تو آپؐ نے نیلام فرمایا۔ من یشتری ھذین: کون یہ چیزیں مول لیتا ہے؟ ایک صاحب نے کہا: انا آخذ ھما بدرھم: میں ایک درہم میں لے لیتا ہوں۔ زبانِ نبوتؐ نے پھر حاضرین سے فرمایا: من یزید علی درھم: ایک درہم پہ کون اضافہ کرتا ہے؟

ایک صاحب آگے بڑھے اور دو درھم میں خرید لیا۔ آپؐ نے دونوں درہم حاجت مند انصاری کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا: اشتر بھذا طعاما فانبذہ الی اھلک واشتر بالآخر قدوما فاتنی بہ: ایک درہم سے اناج خریدلو اور اپنی بیوی بچوں کو دو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر کے میرے پاس لے آؤ۔

راوئ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصاری کلہاڑی خرید کر لے آئے اور آپؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ایک لکڑی ٹھونکی اور سائل کو یہ تاکید کرتے ہوئے کلہاڑی حوالہ کی: اذھب فاحتطب وبع ولا ارینك خمسة عشر یوما: جاؤ، لکڑی کاٹ کاٹ کر لاؤ اور فروخت کرو اور میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں۔

چناں چہ وہ بارگاہِ نبویؐ سے چلے گئے۔ پندرہ دن کے بعد خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ! ان پندرہ دنوں میں دس درہم کی آمدنی ہوئی۔ میں نے چند درہم کے تو کپڑے خریدے اور چند درہم کا غلّہ خریدا

یہ خبر سننا ہی تھا چہرۂ انور کندن کی طرح چمک اٹھا اور فرمانے لگے: ھذا خیر لك من ان تجئی والمسئلة نکتة فی وجھك یوم القیامة: یہ تمہارے لیے بہتر ہے اس بات سے کہ تم قیامت کے روز اس حال میں آؤ کہ سوال کا داغ تمہارے چہرے پہ موجود رہے۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں معاشی آسودگی و استحکام کے لیے جدوجہد اور حرکت و عمل کو جہادِ فی سبیل اللہ کا درجہ اور مرتبہ دیا گیا ہے۔ واسع علی اھلك و عیالك حلالا فان ذالك جھادا فی سبیل اللہ: آدمی کو چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے رزقِ حلال کے حصول کی کوشش کرے کیوں کہ یہ بھی اللہ کی راہ میں جہاد ہے

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک مرتبہ بارگاہِ نبوت میں کچھ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن بے سرو سامانی کی حالت میں آ پہنچے تو اُن کی خستہ حالت دیکھ کر چہرۂ انور اداس ہوگیا اور آپؐ ازواجِ مطہرات کے کمروں میں تشریف لے گئے تاکہ کوئی چیز مل جائے تو انھیں دے دیں۔ لیکن وہاں کوئی چیز نہ مل سکی تو باھر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو جمع کرو۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو آپؐ نے ان غریبوں کی امداد کی ترغیب وتحریص دلائی۔ کچھ ہی دیر میں کافی امدادی سرمایہ جمع ہوگیا تو آپؐ نے اُن کے حوالے فرمایا۔

صحابیٔ رسولؐ راویٔ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فرأیت وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتہلل کانہ من مذھبہ: (مسلم)

اس موقعہ پر میں نے چہرۂ اقدس کو دیکھا کہ وہ سونے کی طرح دمک رہا ہے۔

مذکورہ دونوں پہلو اس حقیقت کے عکاس ہیں کہ محبوب رب العالمین انیس الغریبین صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معاشی آسودگی کے لیے حرکت وعمل اور پس ماندہ افراد وطبقات کی اعانت وامداد ایک پسندیدہ کردار اور محبوب ترین فعل ہے۔

معاشیات کے میدان میں صنعت وحرفت اور ایجاد واکتشاف کو غیر معمولی وقعت و عظمت حاصل ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا سفر ہی مشکل ہے۔ قرآن و احادیث کے مطالعہ سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ اسلام نے صنعت وحرفت اور ایجاد واکتشاف کو نہ صرف اچھی نظر سے دیکھا بلکہ ان کی جانب اپنے متبعین کو ترغیب وتحریص اور توجہ دلائی تاکہ ان کے ذریعہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور معاشی استحکام اور قوت وطاقت حاصل ہوسکے اور ہر دور اور ہر زمانہ کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق صناعات وحرفات اور ایجادات واکتشافات کا سلسلہ جاری وساری رکھ سکیں۔ سورۂ ھود اور سورۂ القمر میں حضرت آدم ثانی نوح علیہ السلام کی جہاز سازی اور جہاز رانی کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے۔ ذات الواح ودسر ویصنع الفلک (تختوں اور میخوں والی کشتی بنا رہے ہیں۔

جہاز سازی اور جہاز رانی کی اہمیت کو محسوس کرنے کا نتیجہ تھا کہ ذی النورین خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بہت بڑا بحریہ تیار فرمایا پھر آپؓ کے بعد صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی بحریہ کو بے پایاں وسعت اور ترقی

دی اور سمندری راستوں کی جان کاری کے باب میں مسلمانوں نے قائدانہ کردار ادا کیا۔ چناں چہ اس حقیقت کو ساری علمی و تحقیقی دنیا تسلیم کرتی ہے کہ واسکوڈے گاما کو جنوبی آفریقہ سے کالی کٹ کی بندرگاہ تک پہنچانے کا سہرا امیر البحر شمس الدین احمد بن ماجد کے سر ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ہے: وعلمنه صنعة لبوس لكم لتحصنكم من باسكم فهل انتم شاكرون: اور ہم نے داؤد کو زرہ بنانے کی صنعت تم لوگوں کے نفع کے واسطے سکھلائی تاکہ وہ زرہ تم کو جنگ میں ایک دوسرے کی زک سے بچائے کیا تم اس نعمت کا شکر ادا نہ کروگے۔

سورۂ السباء میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دھاتی صنعت کا بیان اس طرح موجود ہے کہ لوہے کو گلا گلا کر ان کو باریک تاروں میں بدل رہے ہیں اور موڑ موڑ کر ان سے زرہ کی کڑیاں بنا رہے ہیں۔ ان اعمل سابغات وقدر في السرد: اس سورہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے صنعتی کارخانے کا نقشہ اس طرح موجود ہے کہ کام کرنے والے صناع کاریگر تماثیل سازی (مجسمہ سازی) ظروف سازی وغیرہ میں مشغول ہیں اور کیسے کیسے ظروف اور برتن مثلاً بڑی بڑی دیگیں، حوضوں کے جیسے لگن اور بائلرس۔ مختلف کارخانوں میں بن رہے ہیں۔ يعملون له ما يشاء من محاريب وتماثيل وجفان كالجواب وقدور الراسيات (یعنی وہ کاری گر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے وہ چاہتے تھے تیار کرتے تھے۔ قلعے، مجسمے، اور حوضوں کے لگن اور ایک جگہ جمی ہوئے دیگیں۔

ان تفاصیل سے یہ حقیقت منوّر ہو رہی ہے کہ صنعت و حرفت اور ایجاد حضرات انبیاءؑ علیہم الصلوات والسلام کی سنّت رہی ہے۔ مذکورہ الصدر صنعتوں کے علاوہ اور دیگر بھی صناعات کی جانب ان الفاظ میں ترغیب موجود ہے۔

والله جعل لكم من بيوتكم سكنا وجعل لكم من جلود الانعام بيوتا تستخفونها يوم ظعنكم ويوم اقامتكم ومن اصوافها واوبارها واشعارها اثاثا و متاعا الى حين: (النحل)

اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جن کو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو۔ اور ان کی اون اور ان کی روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدہ کی چیزیں ایک مدّت تک کے لیے بنائیں۔

واللہ جعل لکم مما خلق ظلالا وجعل لکم من الجبال اکنانا وجعل لکم سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم (النحل)

اور اللہ نے تمہارے لیے اپنی بعض مخلوقات کے سائے بنائے اور تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو گرمی سے تمہاری حفاظت کریں اور ایسے کرتے بنائے جو تمہاری لڑائی سے تمہاری حفاظت کریں۔

قوموں اور ملکوں کی زندگی میں سب سے زیادہ اہم ترین اور ناگزیر ضرورت جنگ میں جارحانہ اور مدافعانہ ساز و سامان ہیں جن کے اندر زندگی کے ہر دور میں غیر معمولی تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے۔ چناں چہ کسی زمانہ میں تیر سازی اور تیر اندازی، منجنیق، دبابہ، صنبور وغیرہ شدید ترین ضرورتیں تھیں۔ لیکن ظاہر ہے آج ان کی افادیت تو کجا ان کا وجود بھی بڑی حد تک بے فائدہ نظر آرہا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے حکیمانہ انداز میں ہدایت کی: واعدوا لھم: فوجی تیاریاں کرو۔

اس مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل قابل غور ہے۔ غزوہ خندق کے موقعہ پر عرب کے قبائل ایک کمان بن کر پوری قوت اور طاقت کے ساتھ یہودی سرمایہ کے بل بوتے مدینۂ منورہ پر حملہ آور ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے اس اجتماعی طاقت کا مقابلہ کرنا ایک بڑی آزمائش تھی۔ اس نازک صورتِ حال پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینۂ منورہ کے اطراف ایک گہری خندق کھودی۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینقل معنا التراب: میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ مٹی ڈھوتے تھے۔

دشمنوں کے سپہ سالار ابو سفیان نے جب اس جدید جنگی تکنیک دیکھی تو سراسیمہ رہ گئے۔ واللہ ھذہ مکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا: خدا کی قسم: عرب نے کبھی اس گھات کو (اپنی جنگوں میں) اختیار نہیں کیا تھا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اقدام خود آپؐ کے اس ارشادِ گرامی کی عملی تفسیر اور امت کے لیے پیغام ہے۔ الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن اینما وجدھا اخذھا۔

علم و حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔ جہاں پائے لے لیتا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماضی میں مسلمانوں نے اس اصول کو اپنے پیشِ نظر رکھا تھا۔ چناں چہ ۷۵۱ء سنہ میں وسطی ایشیاء کے علاقہ چینی ترکستان میں مسلمان عربوں اور چینیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ اور بہت سے قیدی گرفتار ہوئے جو کاغذ بنانا جانتے تھے۔ مسلمان عربوں نے ان جنگی قیدیوں کی رہائی کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ مسلمانوں کو کاغذسازی کا فن سکھادیں۔ غرض مسلمانوں نے کاغذسازی کے فن کو سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ سمرقند، بغداد، دمشق ہوتے ہوئے ایک طرف کاغذسازی کا فن یورپ پہنچا تو دوسری طرف بدخشان اور ہرات ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچا۔ اس سے قبل کاغذسازی کا فن ایک رازِ سربستہ بنا ہوا تھا۔ پھر چینی ریشم کا کاغذ بناتے تھے جو بہت گراں اور قیمتی ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے کاغذسازی کا فن سیکھ کر تجربوں سے اس فن کو کافی ترقی دی اور ریشم کے علاوہ روئی اور پٹ سن سے بھی کاغذ بنایا جو بہت ارزاں ہوتا تھا۔ عربوں نے کاغذ بھی تیار کیا۔ اس طرح انھوں نے چھاپے خانے اور اشاعتِ تعلیم کے لیے وسیع راہ ہموار کردی۔

(عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم)

موجودہ دور میں صناعات، ایجادات اور اکتشافات کا دائرہ اتنا وسیع و عریض اور ہمہ گیر ہوچکا ہے کہ آج ساری دنیا پر ان کی حکم رانی ہے اور وہی ترقی اور قوت و طاقت کا معیار بنی ہوئی ہیں حتّٰی کہ حکومتیں اور سلطنتیں بھی ان کے تسلط اور قبضہ میں گھری نظر آرہی ہیں۔ ان حالات میں ملّتِ اسلامیہ کو کھلے دل و دماغ کے ساتھ سوچتے ہوئے تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی دنیا کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے مفید علوم و فنون اور جدید صنعتوں و حرفتوں اور ایجادات کی جانب بھی اپنے قدم آگے بڑھانا چاہیے، تاکہ اپنی افادیت کے ذریعہ صنعتی دنیا میں اپنا مقام پیدا کرسکیں اور ساری دنیا ان کی جانب مائل اور متوجہ ہوسکے۔ یہ صرف خوش آئین تصوّرات ہی نہیں ہیں بلکہ کبھی اس طرح کی بات ایک عظیم حقیقت تھی جو آج تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔

بارھویں صدی عیسوی میں جب کہ مسلمان جنگی صنعت میں دنیا کی امامت و قیادت کررہے تھے، اس زمانہ میں شام، مصر اور عراق میں کثرت سے ایسی کارگاہیں تھیں جہاں اس وقت کی دنیا کے سب سے بہتر آلاتِ حرب تیار ہوتے تھے۔ عباسی دور میں روسی حملوں کی مدافعت اور صلیبی جنگوں کے دور میں یورپی قوموں کی یورشیں روکنے میں ان کا بڑا ہاتھ رہا۔ خاص طور

پر صلیبی جنگوں کے زمانہ میں اس علاقہ میں جنگی صنعت کو بڑا فروغ ہوا۔ حتیٰ کہ صلیبی لڑائیوں کے دور میں جب کوئی صلح کا وقفہ ہوتا تو اہلِ یورپ خاص طور پر ہتھیار خریدنے کے لیے شام اور مصر کے بازاروں میں آتے تھے۔ چناں چہ اس زمانہ میں علمائے کرام کو یہ فتویٰ دینا پڑا کہ عیسائیوں کو اسلحہ فروخت کرنا حرام ہے۔ کیوں کہ ہم سے خریدے ہوئے ہتھیاروں کو وہ دوبارہ ہمارے خلاف استعمال کریں گے۔

حاصلِ کلام!

قرآنِ کریم کا یہ ارشاد واعدوالهم ما استطعتم من قوة: (اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے۔) زندگی کے ہر دور اور دنیا کے ہر ملک میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے ایک بصیرت افروز، فکر انگیز اور قابلِ عمل پیغام اور مینارۂ نور ہے۔ اور ہمیں یہ روشن حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیے کہ عصر جدید میں قوت و طاقت کا معیار جدید صنعت و حرفت اور سائنس و ٹیکنالوجی ہے جن کی طرف سے آنکھیں بند کرکے ہم زندگی کے تیز رفتار قافلہ کے ساتھ اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتے اور قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کے لیے جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ: اے ربّ کائنات ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و فلاح عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے پروانۂ نجات عطا فرما ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

سالنامہ "اللطیف" ۱۹۹۵ء/۱۴۱۵ھ کی تیاریاں پورے انہماک کے ساتھ جاری و ساری تھیں۔ اساتذہ و طلبا کے مضامین اور بزرگانِ حضرت مکان کی تصانیف کے تراجم و تلخیصات کی کتابت تکمیل کے مرحلے میں قدم رکھ چکی تھی اور میں اداریہ کا خصوصی اور کلیدی مضمون تحریر کرنے میں مصروف اور منہمک تھا کہ 12 / نومبر ۱۹۹۴ء مطابق ۷ / جمادی الآخر ۱۴۱۵ھ روز ہفتہ علی الصباح اساتذہ و طلبا اور مکینانِ حضرت مکان و وابستگانِ اقطاب ویلور کے لیے یہ دل گداز و جاں پرسوز اور روح فرسا خبر بجلی بن کر گری کہ ہمارے مشفق بزرگ شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری سجادہ نشین، خانقاہِ حضرت قطب ویلور، نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا: ان للہ وانا الیہ راجعون۔

راقم الحروف کو اپنی زندگی میں کوئی تحریر اتنی صبر آزما معلوم نہیں ہوی جتنی صبر آزما اس سالنامہ کے اداریہ کی تحریر ہے۔ دارالعلوم کی سالانہ روئداد میں مختلف مقامات پر جس ذات گرامی کے ساتھ دامت برکاتہم اور زید مجدہم جیسے دعائیہ کلمات تحریر کئے گئے ہیں اسی شمارے کے بعض صفحات میں اسی نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر نوک قلم مجبور ہے۔ ابھی حال کی بات ہے کہ اعلیٰ حضرت کے چہیتے برادر خورد اور ہر دل عزیز شخصیت کے مالک حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری، ناظم دارالعلوم لطیفیہ، اچانک سفر آخرت پر روانہ ہو گئے جن کے وصال کے صدمۂ جانکاہ کے الم ناک نقوش پوری طرح ذہن د قلب سے محو بھی نہ ہو پائے تھے کہ اعلیٰ حضرت نے داغ مفارقت دے دیا۔ آپ کی وفاتِ حسرت آیات کا صدمہ ایک فرد کا نہیں بلکہ دارالعلوم اور خانقاہِ حضرت قطب ویلور سے منسلک جمیع افراد کا صدمہ ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ایک فرد کی دنیاوی زندگی کا اختتام نہیں بلکہ جنوبی ہند کے ایک عظیم علمی وروحانی خانوادہ کی تاریخ کا ایک تکمیلی باب ہے۔

ویلور دارالسرور میں ڈھائی سو سال قبل حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری کی ذاتِ گرامی سے جس خاندان کی بنیاد پڑی آپ اس دودمان عالی شان کے بانی کی صلبی ونسبی اولاد میں آخری فرزند تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو عمر طویل عطا کی۔ زندگی کی ۸۷ ویں بہار دیکھی اور اس کے مختلف نشیب وفراز سے گزرے اور ساری زندگی اپنے بزرگوں کی روایات پر عمل پیرا اور ان کے علمی ودینی اثاثہ کی حفاظت اور ان کے تحریری وتصنیفی سرمایہ کے تحفظ میں مصروف رہے۔ دارالعلوم کی ترقی واستحکام کے لیے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا اور اپنے پیچھے ایک مضبوط اقتصادی قوت چھوڑی تاکہ یہ علمی ودینی کارواں اپنے سفر میں خود کفیل رہے۔ آپ کی زبان سے ہمیشہ یہ جملہ صادر ہوتا تھا: یہ سب ہمارے بزرگوں کی امانت اور ان کا اثاثہ ہے۔ ہم اپنی ذات پر من مانی طور پہ خرچ نہیں کر سکتے۔ یہ صرف قال نہیں بلکہ حال بھی اس کا آئینہ دار تھا۔ چناں چہ غنا کے باوجود درویشانہ زندگی بسر کی۔ قریباً چالیس سال تک منصبِ سجادگی پر فائز رہے اور بے شمار اشخاص کو بیعتِ توبہ وعزیمت سے مستفیض فرمایا اور اصحابِ علم وفضل مریدین کو خلافت واجازت عطا کی تاکہ ان حضرات کے ذریعہ تزکیہ وتطہیر اور اصلاح ودعوت کا سلسلہ جاری رہ سکے

اور بزرگانِ مکان کے فیوض و برکات سے ایک دنیا متمع اور بہرہ ور ہوتی رہی ہے۔ اللطیف کے ساتھ ہمیشہ دلچسپی قائم رہی۔ تحریر و تصنیف اور دعوت و اصلاح کی جانب آپ کا یہ میلان دراصل آبائی اور موروثی تھا جس کی وجہ سے اپنی علالت کے زمانہ میں بھی اس کام سے غافل نہ رہے۔ اللطیف کے ساتھ آپ کے قلبی تعلق کا حق یہ ہے کہ موجودہ شمارہ کے تمام صفحات پر آپ کی زندگی اور خدمات کے نقوش چمکتے دمکتے نظر آئیں۔ لیکن وقت کی قلت کے پیشِ نظر چند صفحات پر مشتمل ایک مفصل مضمون شامل اشاعت کیا گیا ہے تاکہ ہمارے قارئینِ کرام کے سامنے آپ کی زندگی کی ایک واضح جھلک آجائے

اللطیف اپنی عمر کی ۳۳ ویں منزل میں قدم رکھ چکا ہے اور پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی تمام تر رعنائیوں اور لطافتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے آپ کے ہاتھوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ اس علمی وروحانی گلدستہ کی عطر بیز اور کیف آور خوشبو سے ہمارے ناظرین کے دل و دماغ معطّر ہو جائیں گے۔ اللطیف کی اشاعت میں دارالعلوم کے موجودہ سرپرست حضرات مولانا مولوی سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف فصیح پاشاہ ایم۔اے؛ ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ اور مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری شطاری نائب ناظم دارالعلوم لطیفیہ نے پوری گرم جوشی و تعاون اور ایثار و خلوص کا مظاہرہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نئی قیادت کو اسی راہ و روش پر گام زن فرمائے جس پر اس خانوادہ کے اکابر حضرات کرام رواں دواں تھے۔

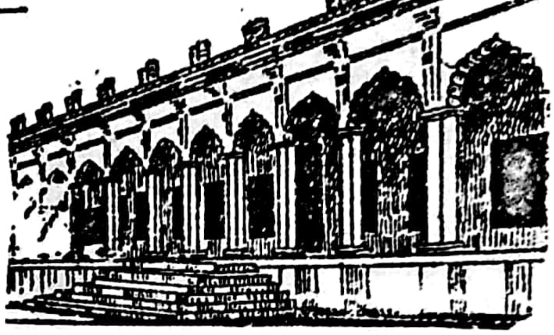
وما علینا الا البلاغ ❖

(بقیہ ص: نمبر کا: "جواھر القرآن"

۵ : یتیموں کی جانب التفات نہ کرنا۔ شیطان کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔ اور شیطانی آرزو کی تکمیل نقصان و خسران کا باعث ہوگی۔

وَاٰخرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ❖

روئداد دارالعلوم لطیفیہ



ہمارے اسلاف اور بزرگانِ دین کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ سراپا کردار تھے۔ جن تعلیمات کی وہ اپنی زبان سے تبلیغ کرتے تھے، اپنے عمل و کردار سے اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتے تھے بڑے سے بڑا خطرہ اور مصیبت کے وقت بھی اپنے اصول و مسلّمات پر ثابت قدم رہتے تھے۔ اور کسی بھی حالت میں وہ اس رشتۂ عمل کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ حوادثاتِ زمانہ کے ہزار کوششوں کے باوجود ان کے پایۂ ثبات میں کبھی تزلزل نہیں آتا تھا۔ اپنے سحر آگین حقیقت آشنا نغموں سے سارے عالم کے اندر زندگی کی روح پھونکتے رہنا جویانِ حق کی رہ نمائی کے لیے ہدایت و روشنی کی شمعیں جلاتے رہنا یہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ ان اکابرین نے احیائے دین و سنّت کے لیے جو کارہائے نمایاں انجام دیا ہے وہ قیامِ قیامت تک زندۂ جاوید رہیں گے۔ اور ان ہستیوں کے نام سنہرے حرفوں میں لکھے جائیں گے۔

ایسی ہی یادگار شخصیتوں میں بزرگانِ مکانِ حضرت قطبِ ویلورؒ رہیں۔ جنھوں نے تجدیدِ دین و احیائے سنّت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ تبلیغِ دین اور علم کی اشاعت و تدریج کو ہی اپنا مشن بنالیا۔ چناں چہ باقر آگاہ تحفۃ الحسن میں ذکر کرتے ہیں کہ جنوب میں فارسی کے جتنے بھی ماہرین ہیں ہر ایک بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت قربیؒ کے شاگرد ہیں اور ایک خصوصیت اس خاندان کی یہ رہی کہ اس خاندان میں مسندِ سجادگی پر فائز ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ مقامِ قطبیت عطا فرمایا ہے۔

اس خاندان کی ایک اور خصوصیت جس کے لیے یہ خاندان سارے ہندوستان میں مشہور ہے، وہ یہ کہ اس خاندان کا ہر فرد ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق، علمی و دینی

خدمات اور خدا اور رسولؐ کی رضا کے لیے اپنی زندگی کی ساری رعنائیوں کو قربان کرتا رہا ہے۔
آج بھی اللہ کے فضل و کرم سے انہی کی تعلیمات۔ اور اخلاقیات پر گامزن ہو کر موجودہ مربیان کرام اس عظیم ادارے کو چلاتے آرہے ہیں۔ اللہ رب العزت تا قیامِ قیامت اس ادارہ اور مربیان کو صحت و تندرستی کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آغازِ سالِ نو

۲۱ر شوال المکرم سنہ ۱۴۱۴ھ مطابق 24 ر ماہ مارچ 1994ء بروز پنجشنبہ حسبِ عادت تعلیم کا آغاز ہوا۔ نئے اور پرانے طلبۃ العلوم کا داخلہ عمل میں آیا۔

دورۂ حدیث

باجازتِ تقدس مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہٗ العالی، سجادہ نشین مکان حضرت، قطب ویلور قدس سرہٗ المبرور صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف کے دورۂ حدیث کا آغاز ہوا۔ عالی جناب مولانا سید شاہ عثمان پاشا قادری عرف سید شاہ فصیح پاشا صاحب ایم، اے؛ ناظمِ دارالعلوم لطیفیہ کی دعاؤں سے مورخہ ۲۵ر ماہ شوال المکرم سنہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۷ر ماہ اپریل سنہ 1994ء بروز پنجشنبہ کو ہوا۔ نیز مورخہ ۲۵ ر ماہ رجب المرجب سنہ ۱۴۱۴ھ مطابق 29 ر دسمبر سنہ 1994ء بروز پنجشنبہ ناظمِ موصوف کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس

دارالعلوم کے تعلیمی سال کی شروعات ہی میں انجمنِ دائرۃ المعارف کا افتتاحی اجلاس مورخہ ۳ر ذی قعدہ سنہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۴ر اپریل سنہ 1994ء روز پنجشنبہ، بعد نمازِ ظہر زیرِ صدارت عالی جناب مولانا سید شاہ عثمان قادری صاحب عرف سید شاہ فصیح پاشا صاحب، ایم، اے؛ ناظم دارالعلوم لطیفیہ منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے خصوصی مہمان عالی جناب، پروفیسر سید علی صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، صدر شعبۂ عربی، نیو کالج مدراس رہے۔ موصوف نے نہت فصیح و بلیغ انداز میں عربی زبان میں خطاب فرمایا۔ جس میں طلبائے عزیز کے تعلیمی مقاصد مرام پہ بحث کرتے ہوئے ان کے کردار اور اخلاق پہ بھی روشنی ڈالی۔ اس کے بعد ناظمِ دارالعلوم

عالی جناب مولانا سید شاہ عثمان پاشا قادری عرف سید فصیح پاشا قادری ایم اے، نے اپنے خاص انداز میں طلبا سے خطاب فرمایا۔ ناظم موصوف نے انجمن دائرۃ المعارف کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس انجمن کا مقصد طلبا میں تقریر وخطابت کی قوت بہم پہنچانا ہے تاکہ وہ اسلام کے پیغام کو اچھے اور عمدہ طریقہ سے قوم کے سامنے پیش کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مقصد میں بہت کچھ کامیابی ہوی ہے اور خدا کے لطف وکرم سے امید ہے کہ آئندہ اس سے بھی زیادہ کامیابی عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد مولانا مولوی عبداللہ خان صاحب لطیفی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا فرمایا۔

سالنامۂ اللطیف

الحمدللہ امسال بزرگانِ حضرت مکان کی بلند پایہ تصانیف کے تراجم وتلخیصات اساتذۂ کرام وبیرونی اہلِ قلم حضرات اور طلباے عزیز کے مضامین بہت ہی دل کش انداز میں ہدیۂ ناظرین ہے۔

نویدِ مسرّت

مدراس یونی ورسٹی کے امتحانات میں ہمارے طلبا شریک ہوے اور امتیازی اور نمایاں نمبرات سے کامیاب ہوے۔

امتحانات

ہر سال کی طرح دارالعلوم میں امسال بھی مورخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ مطابق 3 ماہ دسمبر 1994ء بروز شنبہ ششماہی امتحانات شروع ہوے۔ ایک ہفتہ مسلسل چلتے رہے، نیز مورخہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ مطابق 31 ماہ دسمبر 1994ء بروز شنبہ سالانہ امتحانات شروع ہوے اور ایک ہفتہ مسلسل جاری رہے

عباپوشی واعطائے اسناد

بروز پنجشنبہ مورخہ ۱۰ شعبان المعظّم ۱۴۱۵ھ مطابق 12 ماہ جنوری 1995ء دارالعلوم کا سالانہ تعلیمی جلسہ بزیرِ صدارت مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف سید فصیح پاشاہ صاحب ایم اے، بی کام، ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان

وسیع پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں علمائے کرام، عمائدین شہر اور علم دوست حضرات مدعو تھے۔ ناظم دارالعلوم عالی جناب مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف سید شاہ فصیح پاشاہ قادری صاحب ایم اے! نے اپنے دست مبارک سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

اسبابِ صحت طلبا کے دل و دماغ اور ان کی صحت اچھی اور قائم رہنے کے لیے دارالعلوم کے وسیع میدان میں مختلف گیمس والی بال، بیاڈ منٹن، ٹینی کا ئٹ، کبڈی، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ بعد نماز عصر ہر طالب علم حاضر ہو کر کھیلتے رہتے ہیں۔

تقسیم انعامات درسیات، مقالہ نویسی، مقابلۂ تحریر و تقریر اور گیمس و اسپورٹس میں اوّل و دوّم آنے والے طلبا کو سالانہ جلسہ شام میں ایک دوسری نشست میں قیمتی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

ہدیۂ تشکّر ادارہ مدیرانِ مسؤل اور ان تمام مضمون نگار حضرات کا تہِ دل سے مشکور ہے۔ عالی جناب کاتب محمد شریف برکاتی صاحب آمبوری اور جناب سید علیم الدین صاحب علیم صبا نویدی، مدراس جنھوں نے اپنی نگرانی میں کتابت وطباعت کا کام بہت ہی عمدہ و نفیس طریقے سے انجام دیا۔ نیز ان تمام اطباء وحکماء جو وقتاً فوقتاً اساتذۂ کرام وطلباے دارالعلوم کی صحت کا بھرپور خیال رکھتے ہوے علاج فرمایا۔ مذکورہ ان تمام مخلصین کا ہم تہِ دل سے ممنون و مشکور ہیں۔

ہم بارگاہِ ربّ العزت میں دست بہ دُعا ہیں کہ ہر مسلمان کو بالخصوص ان مخلصین کو جو دارالعلوم سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں سعادت دارین سے بہرور فرمائے۔

آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ

جواہر القرآن



از: افضل العلماء مولوی حافظ ابوالنعمان بشیر الحق قریشی قادری ایم اے، استاذِ دارالعلوم لطیفیہ، ویلور

ابنِ مریمؑ اسلامیات کی روشنی میں

چھٹی اور آخری قسط

ابنِ مریمؑ پند و نصیحت کے آئینہ میں

ابنِ مریم علیہ السلام کی سیرت کے متعدد پہلوؤں اور گوشوں میں سے ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے کہ آپؑ ایک حکیم، مصلح اور ناصح کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپؑ کی جانب منسوب حکایات، اقوال اور نصائح کا ایک بیش بہا ذخیرہ اسلامیات کے اندر موجود ہے جن کے مطالعہ سے زندگی کی بے شمار گتھیاں سلجھ سکتی ہیں۔ اور یہ موضوع اس قدر وسیع اور متنوع ہے کہ اس پر ایک مستقل کتاب مرتب کی جائے۔ لیکن مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق یہاں چند اقوال اور حکایات قلم بند کئے گئے ہیں۔

■ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا تمام چیزوں میں سب سے زیادہ صعب اور سخت ترین چیز کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ کا غصہ۔ دریافت کیا گیا: غضبِ الٰہی سے کس طرح

بچا جا سکتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: آدمی اپنا غصّہ ترک کر کے اللہ کے غصّہ سے مامون رہ سکتا ہے۔

مولانا رومی نے بھی پندِ مسیحؑ کی ترجمانی و تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: ۵

گفت عیسیٰؑ را یکے ہشیار سر | چیست در ہستی ز جملہ صعب تر
گفت اے جان اصعب تر خشم خدا | کہ ازاں دوزخ ہمے ترسد چو ما
گفت زین خشم خدا چہ بود اماں | گفت ترک خشم خود اندر زماں
ترک خشم و شہوت و حرص آوری | ہست مردے در رہ پیغمبری

ایک عاقل نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ زندگی میں سخت ترین چیز کیا ہے؟ آپؑ نے جواب دیا سب سے زیادہ سخت ترین چیز خدا کا غصّہ ہے اس لیے کہ اس سے دوزخ بھی ہماری طرح لرزاں اور ترساں رہتی ہے۔ اس سے دریافت کیا: ہم اللہ کے غیض و غضب سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ مسیحؑ نے فرمایا: ہم اپنا غصّہ ترک کر کے غضبِ الٰہی سے مامون اور محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حرص و ہوس اور شہوت و غصّہ کے ترک کرنے والا شخص ہی پیغمبر کے راستہ پر گامزن ہے۔ (اخلاقِ محمدیؐ)

■ ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جا رہے تھے کہ ایک شخص کی اُن سے مڈبھیڑ ہو گئی اور اس نے آپؑ سے ایک بات پوچھی: آپؑ نے اس کا جواب نرمی اور ملاطفت اور خوش خلقی کے ساتھ دیا۔ اس نے وہ جواب تسلیم نہیں کیا اور بے ادبی اور گستاخی سے پیش آنے لگا۔ وہ جس قدر بُرا بھلا کہتا تھا اسی قدر عیسیٰ علیہ السلام اس کی تعریف و تحسین فرماتے تھے اور وہ بدکلامی و زبان درازی کی راہ سے جھگڑے کے درپے تھا۔ لیکن آپ نرمی و ملاطفت کے راستے کی رعایت فرماتے تھے۔ ایک عزت دار آدمی اس جگہ آ پہنچا اور عیسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا آپؑ اس شخص سے کیوں ہار مان رہے ہیں۔ وہ سختی اور غصّہ سے پیش آ رہا ہے۔ تو آپ کیوں اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہیں؟ اور باوجودیکہ وہ ظلم اور زیادتی کر رہا ہے اور آپ اس کے برعکس محبت اور ملاطفت اور وفا کے ساتھ پیش آ رہے ہیں۔

یہ بات سُن کر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے دوستِ موافق: کل اناء یترشح بما فیہ ہر برتن سے وہی رستا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اس شخص سے وہی صفت ظاہر ہو رہی ہے اور مجھ سے یہی صفت بن پڑتی ہے اور میں اس شخص پہ خشم و ناراضگی اور غصّہ

کا اظہار نہیں کر رہا ہوں تاکہ وہ میرے سلوک اور رویّہ سے باادب اور بااخلاق ہوجائے اور یہ تو کسی صورت نہیں ہوسکتا کہ میں اس کے سلوک سے جاہلانہ طریقہ اختیار کروں۔

مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

چوں نشوم من زوے افروختہ | او شود از من ادب آموختہ
من کہ زدم مایہ دہ جان شدم | این صفتم داد خدا زان شدم
خُلقِ نکو وصفِ مسیحا بود | خصلتِ بد، مرگِ مفاجا بود

میں جب اس پر غصّہ نہیں کروں گا تو وہ میری وجہ سے باادب ہوجائے گا۔ میں چونکہ مارنے سے زندگی دینے والا ہوگیا ہوں اور خدا نے مجھے یہ صفت دی ہے اس لیے میں ایسا ہوگیا ہوں۔

خوش خلقی اور خوش طبعی مسیحا کی صفت ہوتی ہے۔ بُری عادت مرگِ مفاجات اور بلائے ناگہانی ہوتی ہے۔ (اخلاقِ محسنی)

■ منقول ہے کہ ابنِ مریمؑ سے حواریوں نے عرض کیا کہ آپؑ ہمیں ایسی نصیحت فرمائیے، جس پر عمل پیرا ہوکر جنّت میں چلے جائیں۔ آپؑ نے فرمایا: ہرگز بات مت کرو۔ انھوں نے عرض کیا: یہ تو ناممکن ہے۔ فرمایا: جب بات کرو تو بھلی اور اچھی بات کرو۔ اس لیے کہ بسیار گوئی قلب کو سیاہ اور دماغ کو پراگندہ کردیتی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

گفتن بے فائدہ ترکِ حیاست | قول موجّہ صفتِ انبیاءاست
ہرچہ بہنگام نگوید کسے | خامشی از گفت نکوتر بسے
نے ہمہ گفتار ز انسان خوش ست | ہرچہ پسندیدہ بود آں خوش ست

بے فائدہ اور بے معنی گفتگو کرنا شرم وحیا کو ترک کرنا ہے۔ فائدہ مند اور مدلل گفتگو انبیاء کی صفت ہے۔ جو بات برموقع اور برمحل نہ کہے، ایسی بات کرنے سے تو خاموش رہنا بہتر ہے۔ انسان کی ساری باتیں بہتر نہیں ہیں جو بہتر ہیں وہی اچھی ہیں۔

■ عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جو اپنے بھائی کو سویا ہوا دیکھے اور اس کی شرم گاہ

سے کپڑا کھینچ لے تاکہ وہ برہنہ رہ جائے۔ عرض کیا: یا روح اللہ! ایسا عمل کون روا رکھ سکتا ہے، یعنی کوئی بھی شخص ایسی حرکت کر نہیں سکتا۔ مسیحؑ نے فرمایا: تم لوگ ایسا کرتے ہو۔ وہ یوں کہ اپنے بھائی کا کوئی عیب دیکھتے ہیں تو اس کو ظاہر کر دیتے ہو اور کہتے پھرتے ہو تاکہ دوسرے بھی جان لیں۔

ے

کدام جامہ بہ از پردہ پوشی خلق است بپوش چشم خود را از عیب خلق عریاں باش

مخلوق کی پردہ پوشی سے بہتر لباس کون سا ہے، تو اسی کو پہن لے عیب چینی اور نمامی سے زبان روک رکھ۔

■ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپؑ نے ادب کیسے سیکھا؟ ارشاد فرمایا: جس شخص میں بھی کوئی برائی دیکھی تو اس سے اجتناب کیا اور میں بے ادب افراد سے ادب سیکھا ہوں۔

■ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے پسر مریمؑ! پہلے خود کو نصیحت کیجئے۔ اگر تمہارا نفس قبول کرے تو دوسروں کو نصیحت کرو۔ ورنہ مجھ سے شرم کرو۔

■ لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا یا روح اللہ! کیا روئے زمین پر کوئی شخص آپؑ کے مانند ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں! وہ شخص جس کی بات سراپا ذکر ہو۔ اور جس کی خاموشی، سراپا فکر ہو، اور جس کی نظر سراپا عبرت ہو تو وہ میرے مانند ہے۔

■ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک علماء میں بدترین عالم ہے وہ ہے، جو شہوت کو عزیز رکھتا ہو اور لوگوں کی زبان سے اپنی تعریف و توصیف سننے کو پسند کرتا ہو اور مجلسوں میں امتیازی حیثیت کا خواہاں رہتا ہو اور دعوت و ضیافت کا متمنّی رہتا ہو۔

ے

علم کز تو ترا نہ بستاند جہل ازاں علم بہ بود بسیار

تجھے ایسے علم سے کوئی فائدہ نہیں، اس علم سے تو جہل بہت ہی بہتر ہے۔

اس شخص کے لیے خوش خبری ہے، جسے اللہ نے اپنی کتاب کا علم عطا فرمایا اور وہ دنیا سے اس حال میں چل بسا کہ اس کے دل میں غرور و تکبّر نہیں رہا۔ جس شخص نے علم سیکھا، اور اس پر عمل کیا اور دوسروں کو علم سکھایا تو ایسے عالِم کو ملکوت آسمان میں عظیم قرار دیا جائے گا۔

■ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: اہلِ دنیا کی دولت و ثروت کی طرف نہ دیکھو کیوں کہ اس کا سایہ بھی تمہارے ایمان کی حلاوت اور چاشنی کو ختم کردیگا۔ کیوں کہ جب مال و دولت کی محبّت دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے تو ذکرِ الٰہی کی لذّت وحلاوت پر اثر انداز ہوجاتی ہے۔ کیوں کہ ایک دل کے اندر دو حلاوتیں جمع نہیں ہوسکتیں اور زندگی میں دو چیزیں برابر نہیں ہوسکتیں۔ حق اور غیرِ حق، کسی دل میں جس قدر غیرِ حق بس جائے اسی قدر حق باہر آجائے گا اور جس قدر غیرِ حق باہر رہے گا اسی قدر حق اندر رہے گا۔ (اخلاقِ محمّدیؐ)

■ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: دنیا میں تواضع اور انکساری کرنے والوں کے لیے بشارت ہے کہ وہ قیامت کے دن منبروں پر ہوں گے۔

کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

تواضع تکن کالنجم لاح لناظر　　علی صفحات الماء وھو رفیع
ولا تک کالدخان یعلو بنفسہ　　علی طبقات الجو وھو وضیع

تواضع اور انکساری اختیار کر جو اس ستارے کی طرح ہو، جو دیکھنے والے کو پانی کی سطح پر نظر آتا ہے حالاں کہ وہ انتہائی بلندی پر ہوتا ہے۔ دھوئیں کی طرح نہ ہو، جو فضا میں خود کو بلند کرتا ہے، حالاں کہ اس کی کوئی عزّت اور وقعت نہیں ہوتی اور وہ ایک بیکار چیز ہے۔
(مکاشفۃ القلوب)

■ عیسیٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں آدمی سرِ راہ نماز ادا نہ کرے بلکہ حجرہ کے اندر دروازہ بند کرکے نماز پڑھے اور روزہ دار چکنا اور چرب چہرہ بنائے ہوئے باہر نکلے تاکہ ریاکاری سے محفوظ رہ سکے۔ (انجیل: متی)

■ عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے حواریوں کو یہ نصیحت کی:

جس طرح دنیادار دنیا کی محبت میں معمولی سے دین پر راضی ہیں، تم بھی دین کی محبت میں معمولی سی دنیا پر راضی رہو۔

کسی شاعر نے اس قول کو شعر کے روپ میں ڈھالا ہے: ؎

اری رجالا بادنی الدین قد قنعوا　　وما اراھم رضوا فی العیش بالدون
فاستغن بالدین عن دنیا الملوک کما　　استغنی الملوک بدنیاھم عن الدین

میں نے لوگوں کو دیکھا ہے جو تھوڑے سے دین پر راضی ہیں لیکن تھوڑی سی دنیا پر راضی نہیں ہیں۔ اے مردِ آخرت بیں جس طرح دنیا دار دنیا کے بدلے دین سے بے نیاز ہیں تو بھی دین کے بدلے دنیا سے بے نیاز ہو جا۔

■ حکایت ہے کہ ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ آپؑ نے شیطان کو دیکھا۔ ایک ہاتھ میں شہد ہے اور دوسرے ہاتھ میں راکھ۔ آپؑ نے پوچھا اے خدا کے دشمن یہ شہد اور راکھ تیرے کس کام آتی ہے؟ شیطان نے جواب دیا: شہد غیبت کرنے والوں کے ہونٹوں پر لگا دیتا ہوں تاکہ وہ مزے لے لے کر لوگوں کی غیبت اور برائی بیان کرنے میں مصروف رہیں (تاکہ اس کے ذریعہ عذاب کے مستحق بن سکیں) اور راکھ یتیموں کے چہروں پر ڈال دیتا ہوں تاکہ لوگ ان کے چہروں سے بھی نفرت کرنے لگیں (تاکہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے حاصل ہونے والے اجر و ثواب سے محروم رہ سکیں۔) (مکاشفۃ القلوب)

■ روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے اپنے حواریوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کا شکار ہیں۔ ورنہ انھیں ضرور دفن کیا جاتا۔ اس بات پر حواریوں نے ان کے احوال جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ کی دعا سے ایک مردہ جی اٹھا: لبیک یا روح اللہ: آپؑ نے پوچھا: تمہاری یہ حالت کیوں ہوئی؟ جواب دیا: ہم دنیا سے محبت رکھتے تھے اور ظالموں کا ساتھ دیتے اور گنہ گاروں کی پیروی کرتے تھے۔ آپؑ نے پوچھا: ذرا یہ بتاؤ دنیا سے تمھیں کیسی محبّت تھی؟ جواب دیا: جیسے ماں کو اپنے اکلوتے بیٹے سے ہوتی ہے اور ہماری یہ حالت تھی، جب دنیا کی چیزیں ہمارے پاس آجاتیں تو ہم نہایت مسرور اور خوش ہوتے اور جب وہ چلی جاتیں تو ہم انتہائی غمگین اور مایوس ہو جاتے تھے۔

■ حکایت ہے کہ ایک شخص نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں کچھ عرصہ آپؑ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ آپؑ نے اجازت دے دی۔ ایک مرتبہ وہ آپؑ کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوا۔ جب دونوں ایک دریا کے کنارے پہنچے تو کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ توشہ میں تین روٹیاں تھیں۔ دونوں نے ایک ایک روٹی کھائی اور ایک روٹی بچ گئی۔

عیسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت سے کچھ دیر کے لیے وہاں سے چلے گئے اور جب واپس آئے تو وہ روٹی آپؑ کو نظر نہیں آئی۔ آپؑ نے خادم سے دریافت کیا کہ وہ روٹی کس نے لی تو اس نے کہا: مجھے تو نہیں معلوم۔ اس کے بعد دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک ہرن اپنے دو بچوں کے ساتھ دکھائی دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ہرن کے بچّے کو پکارا تو وہ دوڑ کر آپؑ کے قریب آگیا۔ آپؑ نے ذبح کیا اور دونوں نے بھون کر پیٹ بھر کر کھالیا۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا: اے ہرن کے بچّے اللہ کے حکم سے زندہ ہوجا۔ چناں چہ وہ زندہ ہوا اور چلا گیا۔

اس وقت عیسیٰ علیہ السلام نے خادم سے پوچھا: تجھے اس پروردگار کی قسم! جس نے یہ معجزہ دکھلایا، اب بتادے وہ روٹی کیا ہوئی۔ اس نے کہا: مجھے تو نہیں معلوم۔

پھر دونوں وہاں سے آگے روانہ ہوے اور ایک دوسرے دریا پر آ پہنچے تو عیسیٰ علیہ السلام نے خادم کا ہاتھ پکڑا اور دونوں پانی پر چل کر دریا سے پار ہو گئے۔ کنارے پہنچنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے خادم سے پوچھا: تجھے اس پروردگار کی قسم، جس نے یہ معجزہ دکھلایا۔ اب تو بتادے کہ وہ روٹی کیا ہوئی؟ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے تو نہیں معلوم۔

پھر وہاں سے یہ دونوں روانہ ہو گئے اور ایک ریگستان میں پہنچے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے بہت سی ریت جمع کی اور کہا: اے ریگ! اللہ کے حکم سے سونا ہوجا! آنِ واحد میں تمام ریگ سونا بن گئی اور آپؑ نے اس کے تین حصّے کئے اور تین اینٹیں بنائیں اور فرمایا: ایک اینٹ تمہاری اور ایک میری اور ایک اس شخص کے لیے جس نے روٹی کھائی اس وقت خادم نے کہا کہ وہ روٹی میرے پاس ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اب یہ تینوں اینٹ تم ہی لے لو اور میری صحبت سے الگ ہوجاؤ۔ سونے کی تینوں اینٹ اس کے حوالے کر کے عیسیٰ علیہ السلام تنہا وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد دو شخص وہاں آنکلے۔ جب انھوں نے ریگستان میں ایک آدمی کے پاس اس قدر سونا دیکھا تو ان کی نیت بدل گئی اور انھوں نے ارادہ کرلیا کہ اس کو قتل کر کے سونا حاصل کرلیں۔ اس آدمی نے جب ان کی نیت بھانپ لی تو خود ہی بول اٹھا کہ مجھے کیوں قتل کرنے کے درپے ہو۔ یہ سونا ہم تینوں آپس میں برابر تقسیم کرلیں گے۔ اس

بات پر یہ دونوں شخص راضی ہو گئے۔

اس کے بعد انھوں نے ان تینوں میں سے ایک شخص کو شہر کی طرف بھیجا کہ کھانے کی چیزیں خرید کر لائے۔ ایک شخص شہر کی طرف چلا گیا اور کھانا خریدا اور دل میں سوچا کہ اس کھانے میں زہر ملا کر دونوں کو ہلاک کر دوں تو سارا سونا میرا ہوگا۔ چناں چہ اس نے کھانے میں زہر ملا دیا۔ ادھر دونوں نے تیسرے کی عدم موجودگی میں یہ منصوبہ بنا لیا کہ جوں ہی وہ آئے ہم اسے قتل کر دیں گے اور یہ سونا ہم آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ چناں چہ جب وہ آدمی کھانا لے کر آیا تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کا کام تمام کرنے کے بعد سوچا کہ ہم کھا پی کر یہاں سے نکلیں۔ کھانے بیٹھ گئے۔ کھانا کھاتے ہی یہ دونوں بھی مر گئے اور سونے کی تین اینٹیں وہیں پڑی رہ گئیں۔

عیسیٰ علیہ السلام جب واپس اس جگہ پر آپہنچے تو دیکھا کہ سونے کی اینٹیں پڑی ہوئی ہیں اور ان کے پاس ہی خادم اور دو آدمی مرے پڑے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر آپؑ نے اپنے حواریوں سے فرمایا: دنیا کا انجام یہی ہے۔ تم اس سے پرہیز کرو۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ آدمی خواہ کیسا ہی استاد اور باکمال ہو بہتر یہی ہے کہ مال و دولت پر نظر نہ کرے اور اس کو اپنی ضرورت سے زیادہ حاصل نہ کرے۔ کیوں کہ سانپ کا پکڑنے والا آخر کار سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوتا ہے۔

واللہ اعلم۔ (کیمیائے سعادت)

مذکورہ الصدر تفصیلات سے جو ہدایات اور نکات حاصل ہو رہے ہیں اُن کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے:

۱ آدمی کے لیے غصّہ دنیاوی اور اخروی لحاظ سے بہت ہی نقصان دہ ہے اور غصّہ کرنے والا شخص غضبِ الٰہی کا شکار رہتا ہے۔ حرص و ہوس اور شہوت و غصّہ سے خالی شخص ہی صحیح معنوں میں رسولؐ کا متبع ہے۔

۲ آدمی کو جہالت، بد اخلاقی اور زبان درازی کا جواب خوش خلقی شیریں زبانی اور نرمی و ملاطفت کے ساتھ دینا چاہیے۔ تاکہ اس کے حسنِ سلوک سے نادان، دانا اور بے ادب باادب بن جائے۔

۳ گفتگو خیر و بھلائی بھرپور اور مدلل کرنی چاہیے اور بے معنی گفتگو

بے محل گفتگو اور بہت گفتگو سے اجتناب کرنا چاہیے۔ بے محل گفتگو سے حیا ختم ہوجاتی ہے۔ اور عیب بے حیائی آجاتی ہے تو یہی چیز ہر طرح کی برائیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

۴ آدمی کو غیبت اور عیب چینی سے احتراز کرنا چاہیے۔

۵ جس شخص میں بھی کوئی بُرائی دیکھیں تو اپنے آپ کو اس برائی سے بچائے رکھنا چاہیے۔

۶ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے خود اپنی ذات کو نصیحت کرنا چاہیے۔

۷ دنیادار لوگوں کو ملنے والی دولت وثروت اور عیش وتنعم کی چیزوں کی طرف نظر نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے ایمان وایقان کے اندر ضعف وکمزوری پیدا ہوگی اور ذکرِ الٰہی اور محبتِ الٰہی کی حلاوت ختم ہوکر رہ جاتی ہے۔

۸ اللہ کی محبت صرف ان ہی دلوں میں بسی رہتی ہے جن کے اندر دنیا اور آخرت کی محبت نہ ہو۔

۹ جس شخص کی بات سراپا ذکر ہو اور جس کی خاموشی سراپا فکر ہو اور جس کی نظر سراپا عبرت ہو وہ شخص نبی کی سیرت کا آئینہ دار ہے۔

۱۰ اہلِ علم کا دامن تہوت سے پاک وصاف رہنا چاہیے اور ان کے اندر غرور وتکبّر نہیں رہنا چاہیے۔ اور ان کے اندر اپنے لیے امتیازی مقام اور تعریف وتوصیف کی خواہش نہیں رہنی چاہیے۔

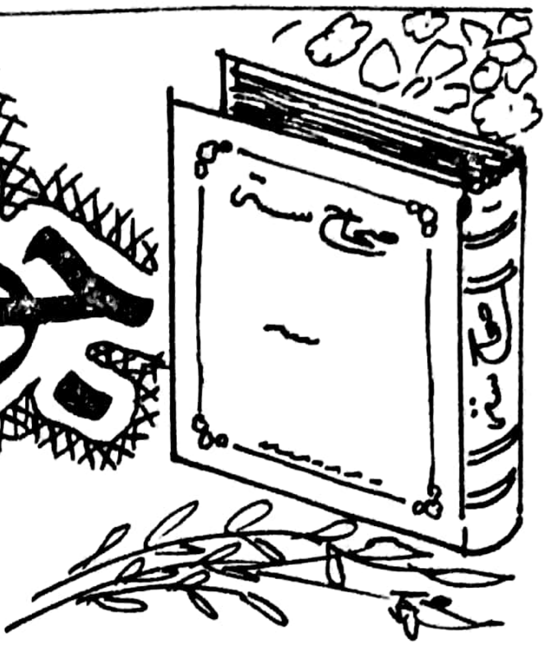
۱۱ ہر شخص کو عاجزی اختیار کرنا چاہیے اور ریاکاری سے بچنا چاہیے اور اپنی نیکیوں کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

۱۲ دین کی خاطر تھوڑی سی دنیا پر اکتفا کرلینا چاہیے۔

۱۳ مال ودولت کو ناجائز طریقہ سے حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ اور دولت کو اپنی ضرورت سے بڑھ کر بھی حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ حرص وطمع اور جھوٹ و دھوکہ سے مال کو حاصل کرنا خود کو دنیا اور آخرت میں ہلاک کرنا ہے۔

۱۴ گناہ گاروں کی پیروی نہیں کرنا چاہیے اور دنیا کی لذّتوں میں نہیں کھونا چاہیے۔

(بقیہ ص: پر ملاحظہ ہو۔)



جواہر الحدیث

لا تسبوا تبعا فانه قد كان اسلم

افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری ایم اے، استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

بعثتِ محمدی ﷺ انسانی تاریخ کا مشہور اور معروف ترین واقعہ ہے جس کے متعلق آسمانی صحائف توراۃ و انجیل، علماء احبار اور مشائخ کی بیان کردہ روایتوں میں اس قدر تفصیلات موجود ہیں کہ اہلِ کتاب کے خواص اور عوام نبیٔ آخر الزماں کی سیرت و اوصاف اور احوال و کوائف سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس سلسلہ میں وحیٔ محمدی کا بیان ہے: یعرفونه کما یعرفون ابناءھم۔ (البقرہ) وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ اور یہودیوں سے متعلق قرآنِ کریم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ وہ اپنے حاجات کی تکمیل کے لیے بارگاہِ خداوندی میں صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا (سورۃ البقرۃ) اس سے پہلے نبی ﷺ کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ مفسرِ قرآن علامہ سُدی نے لکھا ہے کہ یہود جب بھی کافروں سے جہاد کرتے تو عین لڑائی میں توراۃ اٹھا لیتے اور اس آیتِ طیبہ پر انگلی رکھ دیتے جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک رہتا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ الٰہی بحرمتِ محمد ﷺ ہمیں فتح عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا۔ اللّٰھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی ﷺ: یارب ہمیں نبیٔ امی کے صدقہ میں فتح و نصرت عطا فرما۔

امام طبرانی سے صحابیٔ رسولؐ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا ایک مفصل بیان نقل کیا ہے جس کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اہلِ کتاب رسولِؐ عربی کی معرفت کے ساتھ ساتھ آپؐ کے خلفاء مثلاً حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے احوال اور ان کے اوصاف سے بھی واقف تھے۔ اور انھوں نے اپنے مذہبی معلومات اور تخیلات کی بنیاد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خیالی تصویر بنا رکھی تھی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ حقیقت نمایاں نظر آتی ہے کہ ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت سے قبل ہی عالمِ رنگ و بو میں معروف اور معلوم تھی۔ آپؐ کی ولادت باسعادت سے ایک ہزار سال قبل ایک ذی شوکت اور پر شکوہ یمنی بادشاہ گزرا ہے جس کو اہلِ سیر نے تبع اول اور عام مورخین نے حمیری کے نام سے موسوم کیا ہے قرآنِ کریم میں سورۂ دخان اور سورہ قٓ دو مقام پر اس بادشاہ اور اس کی طاقت ور قوم کا تذکرہ موجود ہے۔ روئے زمین پر یہ پہلا خوش نصیب اور سعادت مند شخص ہے جس نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے نبوتِ محمدیؐ کا اقرار کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور آپؐ کو خاتم النبیین اور شافعِ محشر تسلیم کیا اور اپنی نجات و سلامتی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد و التجا کی۔[1]

اہل سیر اور مورخین نے شاہ حمیری کے ایک تاریخ ساز سفرِ سعادت کی روئداد اس طرح بیان کی ہے کہ یہ طاقت ور عظیم الشان بادشاہ اپنے ملک یمن سے مشرقی ملکوں کی سیر و سیاحت کے لیے نکل پڑا تو اس کے ہم راہ فوج سلطنت کے امراء و اراکین اور علماء و صلحا کی ایک کثیر جماعت رہی۔ جب یہ مکہ معظمہ پہنچا تو بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور اپنے ہم راہی علماء و مشائخ کی زبان سے خانۂ خدا کی عظمت و فضیلت اور بزرگی سنا تو حد درجہ متاثر ہوا اور اپنے امراء کو حکم دیا کہ ایک عمدہ اور نفیس غلاف تیار کروائیں۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھایا اور اس کا طواف کیا۔

بیت اللہ کے معمارِ اول حضرت آدم علیہ السلام اور معمارِ ثانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے شاہ حمیری سے قبل کے ادوار میں تاریخ نے اپنے صفحات پر کہیں بھی یہ ثبت نہیں کیا ہے کہ کسی بادشاہ یا مذہبی رہنما یا کسی بھی شخص نے بیت اللہ کے ساتھ اس قسم

کی تعظیم وتکریم کا مظاہرہ کیا ہو۔ اسی لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حمیری پہلا شخص ہے جس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔ شاہ حمیری کا یہ اولین اقدام آج بھی باقی اور زندہ ہے۔ اور موجودہ حجازی حکومت بھی ہزاروں ریال خرچ کر کے انتہائی قیمتی اور عمدہ غلاف تیار کر کے بیت اللہ پر چڑھاتی ہے اور کعبہ ہمیشہ غلاف سے ڈھکا رہتا ہے۔

شاہ حمیری مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا اور منزل بہ منزل قیام کرتے ہوئے یثرب پہنچا اور یہاں چند روز قیام کرنے کے بعد اپنے مصاحبین سے کہا کہ رخت سفر باندھ لیں۔ یہ بات سن کر اس کے ہمراہی علماء وصلحاء نے بادشاہ سے عرض کیا: ہم آپ کے ساتھ سفر نہیں کریں گے۔ آپ ہمیں اسی شہر میں مستقل سکونت کی اجازت دے دیں۔ یہ بات سن کر حمیری کو بڑی حیرت ہوئی اور کہا کہ آخر اپنے وطن سے دور دراز ایک ریگستانی ونخلستانی شہر میں مستقل رہائش وسکونت کی وجہ کیا ہے؟

علماء نے کہا: ہماری مذہبی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپؐ اپنے مادرِ وطن مکۂ مکرمہ سے ہجرت فرما کر اسی شہر میں آئیں گے اور یثرب ہی آپؐ کی مستقل اور دائمی اقامت گاہ ہوگی۔ لہٰذا ہم اس امید پر یہاں رہ جانا چاہتے ہیں کہ شاید ہم ان کا عہدِ مبارک پا سکیں۔ اور آپؐ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں۔

علماء کا یہ جواب سن کر حمیری بہت ہی متاثر ہوا اور انھیں بخوشی ومسرت سکونت کی اجازت دے دی۔ اور ان کے قیام اور دیگر ضروریات کے انتظامات کیا اور اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاطر بھی ایک عمدہ دو منزلہ مکان تعمیر کروانے کا حکم دیا اور کہا کہ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لائیں تو یہی مکان آپؐ کی آرام گاہ ہونی چاہیے۔ اور ایک مکتوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تحریر کیا اور علماء میں سے ایک عالم کے حوالے کرتے ہوئے تاکید کی: اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری زندگی میں تشریف لائیں تو آپؐ کی خدمت میں یہ مکتوب پیش کر دینا۔ اگر تمہاری زندگی میں یہ موقع نہ مل سکا تو اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ نسلاً بعد نسلاً اس مکتوب کو محفوظ رکھیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ ان ہدایات کے بعد حمیری

مشرقی ملکوں کے دورہ پر روانہ ہو گیا۔

ظہورِ اسلام کے بعد باشندگانِ یثرب کی ایک جماعت دین کی نعمت سے بہرہ ور ہوئی اور اس نے اپنے دھن ودل اور روح کی گہرائیوں سے نبیؐ مبعوثؐ کے ساتھ والہانہ محبت والفت کی اور اپنی جان ومال اور اولاد بلکہ سب کچھ نبیؐ پر قربان کر دیا۔ جس کی نظیر اور مثال مذاہب اور ادیان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہی وہ جماعت ہے جس کو اسلام میں انصاریوں (مددکنندگان) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یثرب کے اکثر انصاری مسلمان ان ہی علماء وصلحاء کی نسل سے تھے۔

شاہ حمیری کے مکتوب کا متن درج ذیل ہے

الی محمد بن عبد اللہ ورسولہ خاتم النبیین ورسول رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم من تبع الاول : اما بعد

فانی اٰمنت بک وکتابک الذی ینزل علیک وانا علیک

دینک وسنتک واٰمنت بربک ورب کل شئ واٰمنت

بکل ماجاء من ربک من شرائع الاسلام۔ فان ادرکتک

ونعمت۔ وان لم ادرکک فاشفع لی ولا تنسنی یوم القیامۃ

فانی من امتک الاولین وبایعتک قبل مجیئک

وانا علی ملتک وملت ابیک ابراہیم علیہ السلام

شہدت علی احمد انہ رسول من اللہ باری النسم

فلو مد عمری الی عمرہ لکنت وزیرا لہ وابن عم

یہ مکتوب، رسول خدا خاتم النبیین محمد ابن عبداللہ کی خدمت میں تبع اول کی جانب سے ہے۔ بے شک میں آپؐ پر ایمان لایا ہوں اور آپؐ کے دین اور آپؐ کی سنّت پر قائم ہوں اور آپؐ کے رب اور ہر چیز کے خالق پر ایمان لایا ہوں اور شریعتِ مطہرہ کے جمیع احکام جو آپؐ کی جانب سے آپؐ کو پہنچے ہیں ان پر ایمان لایا ہوں۔

اگر مجھے زندگی میں آپؐ کی زیارت کا موقعہ نصیب ہوا تو بڑی اچھی بات اور نعمت ہے۔ اور اگر آپؐ سے ملاقات نہ ہو سکی تو قیامت کے روز مجھے بھول نہ جانا اور میری شفاعت فرمانا۔

اور میں آپؐ کی اُمّت میں پہلا شخص ہوں۔ میں آپؐ کی آمد سے پہلے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور میں آپؐ کی سنّت پر ہوں

میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اگر میری عمر اُن کی عمر تک لمبی ہو جاتی تو میں ان کا وزیر ہو جاتا اور اُن کا برادرِ جان نثار بن جاتا۔

شاید حمیری کا یہ تاریخ ساز ایمان افروز مکتوب یثرب میں دست بدست وصیت کے نسلاً بعد نسلاً محفوظ چلا آیا۔ یہاں تک کہ تاریخ نے اپنے سفر کے ایک ہزار سال پورے کر لیے اور یہ مکتوب صحابیٔ رسولؐ حضرت ابو ایوب انصاری تک پہنچا اور انہوں نے اپنے اجداد کی امانت کو اپنے ایک غلام خاص ابولیلیٰ کے پاس محفوظ رکھا۔

جب سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر یثرب میں رونق افروز ہوئے تو سارے شہر میں خوشیوں اور مسرتوں کی لہر دوڑ گئی اور آج ہی سے شہر کا نام مدینۃ النبیؐ ہو گیا۔ قدوم میمنت لزوم کی عجب شان تھی۔ مدینہ کی گلیاں اور کوچے تحمید و تقدیس کے کلمات سے گونج رہے تھے جس سے ساری فضا نور میں نہا چکی تھی اور عید کا سماں بندھا ہوا تھا۔ مرد، عورت، بچے اور بوڑھے سب کے سب ظہورِ قدسیؐ کے دیدار کے لیے سراپا چشم تھے۔ انصاریوں کی پیاری پیاری معصوم لڑکیاں خوب صورت اور میٹھے رس بھرے لہجوں میں اور پاک و شیریں زبانوں سے نغمہ سرا تھیں: ؎

اشرق البدر علینا   من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا   مادعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا   جئت بالامر المطاع

سوئے جنوب کی پہاڑوں سے ہم پر چودھویں کا چاند چڑھ آیا۔ ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے۔ کیسا عمدہ دین اور کیسی عمدہ تعلیم ہے، ہمارے درمیان اللہ نے آپؐ کو بھیجا

ہے۔ ہم پر آپؐ کے حکم کی اطاعت فرض ہے۔

کوکبۂ نبویؐ کی شان وشوکت اور عظمت وجلالت کے نظّارے سے اہلِ کتاب کے علماء جان گئے کہ آج کے دن حبقوق نبی کی کتاب : ۳ : درس ۳، ۴ کا مطلب کھل گیا۔

اللہ جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران (مکہ مکرمہ) سے آیا ہے۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی۔

نبیٔ رحمتؐ ابھی اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور اسے انصاریوں کا جمِ غفیر گھیرے ہوئے تھا اور ہر کسی کی خواہش اور تڑپ تھی کہ اللہ کے رسولؐ کو اپنے گھر لے جائے۔ لوگوں کے جذبات واحساسات اور اُن کے اصرار کو دیکھ کر خود آپؐ نے فرمایا: میری اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ جس گھر کے پاس بیٹھ جائے گی وہی ہماری قیام گاہ ہوگی۔ آپؐ اونٹنی سے نیچے اُتر آئے تو وہ آہستہ آہستہ چلنے لگی اور ہر شخص اشتیاق اور حسرت بھری نگاہوں سے اونٹنی کو تکنے لگا: کاش یہ میرے گھر کے پاس ٹھہر جائے تو میں اللہ کے رسولؐ کی میزبانی سے دُنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں اور برکتوں سے اپنا دامن بھر لوں۔ اونٹنی چند قدم چلتے چلتے اسی دومنزلہ مکان کے سامنے آکر بیٹھ گئی جس کو شاہ حمیری نے نبیٔ مبعوث کے خاطر تعمیر کروایا تھا۔ اور یہ وصیت کردی تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو یہ مکان آپؐ کی آرام گاہ ہوگی۔

اس گھر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ مقیم تھے۔ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آپہنچے اور عرض کرنے لگے: یارسولؐ اللہ! یہ سعادت وفضیلت میرے حصّے میں آچکی ہے۔ لہٰذا آپؐ میرے گھر مہمان ہوں گے۔

اسی اثنا میں لوگوں نے ابولیلی کو بھیجا کہ شاہ حمیری کا مکتوب پیش کرو: چناں چہ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا:

تو آپ ہی ہیں ابولیلی!

یہ سننا ہی تھا کہ ابولیلی حیرت واستعجاب میں غرق ہوگیا۔

وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان نہ سکا اور متفکر ہوکر پوچھنے لگا:

آپؐ کون ہیں؟ میں آپ کے مقدّس چہرہ پر سحر کا کوئی اثر نہیں پا رہا ہوں۔

(راوی کا کہنا ہے کہ ابولیلی نے حضور اکرم کو ساحر خیال کر لیا تھا۔ اسی لیے اس نے یہ جملہ کہا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں محمد ہوں۔ وہ مکتوب پیش کرو۔ ابولیلی نے مکتوب پیش کیا تو آپ نے پڑھا اور ارشاد فرمایا:

مرحبا بتبع الاخ الصالح : صالح بھائی تبع مرحبا مرحبا، آفرین آفرین۔

امام زرقانی نے اس واقع کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

فلمارأه صلی اللہ علیہ وسلم قال له انت ابولیلی فبقی ابولیلی متفکرا ولم یعرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال من انت فانی لم اری وجهك اثرالسحر وتوهم انه ساحر، فقال انا محمد هات الکتاب۔ فلما قرأة قال مرحبا بتبع الاخ الصالح ثلاث مرات (تفسیر خازن: جلد دوم)

مذکورہ روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کی نشان دہی بھی ہو رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ اُمّی تھے یعنی لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور آپ نے کسی کے آگے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ لیکن اس موقعہ پر بذاتِ خود آپ نے حمیری کا مکتوب پڑھا۔ اسی نوع کا واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر وقوع پذیر ہوا جب کہ کافروں نے معاہدہ کی کتابت کے دوران صلح نامہ سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد ابن عبداللہ لکھنے پر ضد کیا تو آپ نے نامہ نویس حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا: اے علی! رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد ابن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے قلم سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ حضرت علیؓ جذبات سے مغلوب نظر آ رہے ہیں تو خود آپ نے صلح نامہ ہاتھ میں لیا اور اس میں سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد ابن عبداللہ لکھ دیا۔

حضرت امیر نے خوب کہا: ؎

تعلیم جبرئیل امین تھی برائے نام
دیتے تھے قدسیوں کو سبق بے پڑھے ہوئے
حضرت کا علم، علم لدنی ہے اے امیر
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

حاصلِ کلام!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے بادشاہ حمیری کو صالح بھائی کے محبت بھرے الفاظ سے یاد فرمایا اور اس کے بارے میں امّت کو تاکید فرمائی کہ اس کا ذکر خیر و بھلائی کے ساتھ کیا جائے اور اس کے مومن ہونے کی گواہی دی، جس شخص کے مومن ہونے کا اظہار زبانِ نبوّت سے ہو، اس کے ایمان و ایقان اور اس کو حاصل ہونے والی اخروی نعمتوں کا کیا عالم ہوگا:

لا تسبوا تبعاً فانه قد کان اسلم

(واخرجہ احمد بن حنبل)

نعتِ شریف

مولانا ظفر علی خان رح

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا
ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
ہے بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا
بوتے رہے جو رستہ میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آکر تُلا ہوا
جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے
پھر کیوں نہ سب سے رتبہ ہو ان کا بڑھا ہوا
یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو!
وہ جو خدا کے ہو گئے ان کا خدا ہوا



مرسلہ:
سید بلال احمد شطاری۔ بنگلور

فتویٰ

قدوۃ السالکین مجدّدِ جنوبی ہند

حضرت علّامہ سیّد شاہ عبد اللطیف قادری المعروف حضرت قطبِ ویلور قدس سرّہ

◆ حیدرآباد سے ایک صاحب کے استفسار پر حضرت قطبِ ویلور نے یہ فتویٰ زبانِ فارسی میں تحریر کیا تھا جس میں ایک عیسائی کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق عیسیٰؑ ابنِ مریم اللہ کی روح ہیں اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں لھذا خُدا کی روح کا مقام ومرتبہ افضل ہے یا خُدا کا ایلچی؟

مترجم: افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قادری ایم اے، استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا الی الاسلام وجعلنا من امۃ نبینا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام : امّا بعد :

آپ نے استفسار کیا تھا کہ ایک انگریز شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت و فوقیت دے رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ قرآن کریم ناطق ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی روح ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا خدا کی روح کا مقام ومرتبہ افضل ہوگا یا خدا کا ایلچی ؟ اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

سعادت آثار !

اس زمانہ میں اکثر لوگ اپنے دین کو پس پشت ڈال دئے ہیں۔ حکام کے قوانین واحکام اور انگریزوں کے قانون کو پیشِ نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے ماحول میں اس کے برعکس آپ نے جو استفسار کیا یہ بہت ہی اچھا معلوم ہوا اور چند کلمات جو خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں پوری حرارت و تپش اور تپاک کے ساتھ استفتاء کی زینت وزیبائش تھے، وقت کو پر مسرّت اور خوش گوار بنا دے۔ اور اسلام کے ساتھ آپ کی والہانہ الفت اور وارفتگی کی خبر دے رہے تھے اور اسلام میں ایمان کی کمالیت کے لیے ایسا ہی عشق اور جنون مطلوب ہے۔ زبانِ نبوّت نے ارشاد فرمایا :

لن یومن احدکم حتیٰ یقال انہ مجنون تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو اللہ اور رسول کے عشق میں دیوانہ اور مجنون نہ کہا جاے۔ ایں کار دولت است اکنوں تاکرا رسد۔

اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے تمام امور و معاملات میں خیر و برکت عطا فرماے اور اسی کی ذاتِ جل جلالہٗ سے آپ کی سلامتی اور عافیت مطلوب اور مسئول ہے۔

آپ یہ حقیقت اچھی طرح جان لیں کہ یہ راہ گم کردہ گروہ دین اور آخرت کو مکمل طور پر فراموش کر دیا ہے اور اپنے اوہام و خرافات اور خیالاتِ خام کے ذریعہ ایک عالم کو گم راہ کر رہا ہے : ضلوا افضلوا : خود بھی گم راہ ہوے اوروں کو بھی گم راہ کر دیا۔

ان کے فقدان دین وآخرت پر دلیل یہی ہے کہ اپنے بادشاہ کی نافرانی کرنے پر سزا دینے میں بڑے پُرجوش ہیں۔ یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی لغزشات اور تقصیرات کو بھی نظرانداز نہیں کرتے۔ اور بادشاہوں کے بادشاہ اور اُن کے خالق و مدبر کی نافرمانی کرنے پر کوئی سزا مقرر نہیں۔ یہاں تک کہ شرک کے ارتکاب اور کبیرہ گناہوں میں ملوث ہونے پر بھی کسی قسم کا احتساب اور مواخذہ نہیں کرتے۔ ایسی صورت میں صغیرہ گناہوں پر مواخذہ کا ذکر ہی کیا ہے۔

اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے شکم مادر میں خون حیض سے پرورش پائی۔ اور آپؑ پیشاب و پاخانہ کرتے تھے اور آپؑ کو بھوک وپیاس لگتی تھی۔ اور آپ کھانے پینے کے محتاج تھے اور کھاتے پیتے، سوتے اور جاگتے تھے۔ اور یہودیوں کے قتل وصلیب اور اُن کی قید و بند اور ان کی مار پیٹ کی بلا و مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا اور حیاتِ خدا ہیں۔ حیاتِ خُدا یعنی اللہ کی روح کہتے ہیں۔ اور یہ روح اللہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ناسوت میں نازل ہوئی اور یہی روح (مسیح) تمام موجودات کی خالق و مدبر اور کل مخلوقات کی مرادیں برلانے والی اور حاجتوں کو پُورا کرنے والی ہے اور اسی نے اپنی ماں کو پیدا کیا اور اُن کی ماں اپنے خدا (مسیح) کو جنم دیا۔ حالاں کہ اناجیل جابجا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رسول ہونے کی گواہی دے رہی ہیں۔ چناں چہ انجیلِ متی کی ساتویں فصل میں ہے:

جس نے مجھے قبول کیا بے شک اس نے اس ذات کو قبول کیا جس نے مجھے رسول بناکر بھیجا ہے۔

انجیل یوحنا کی پانچویں فصل میں ہے کہ: مسیح نے کہا:

میں دنیا میں اپنی خواہش کے مطابق عمل کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ میں اس ذات کی خواہش کے مطابق عمل کروں جس نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

اسی سے یہ بات ثابت ہوگئی عیسیٰ علیہ السلام خدا کے رسول ہیں۔ پھر بھلا کیوں کر خدا کا جزو اور حصّہ ہوں گے۔ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون۔ مشرکین جو باتیں کہہ رہے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وصاف اور منزہ ہے۔

اس گم راہ گروہ کے زعم وخیال کے مطابق اگر حضرت عیسیٰ خدا ہیں تو آسمانی کتابوں

میں عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی کوئی بو باس اور کسی قسم کی نشانی کیوں نہیں دی گئی، حالاں کہ رسولوں کے بھیجنے کا اصلی مقصد اور کتابوں کے نازل کرنے کی حقیقی غرض، خدا سے آگاہ کرنا اور خبر دینا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ارمیا، حضرت اشعیاء اور دیگر انبیائے کرام اپنے خدا (مسیحؑ) کی الوہیت سے کیوں کر بے خبر اور لاعلم رہے۔ حالاں کہ اپنے خدا سے بے خبری کفر ہے۔ معاذ اللہ من ذالک۔

عہدِ عتیق اور عہدِ جدید (بقول انگریزاں اولڈ ٹیسٹمنٹ، نیو ٹیسٹمنٹ) کی کتابوں میں جا بجا گناہوں پر خصوصاً زناکاری اور ریاکاری پر سخت سرزنش اور شدید ملامت آئی ہوئی ہے۔ تورات میں زناکاری کی سزا سنگساری ہے اور انجیل متی میں ہے۔ آدمی اپنی آنکھوں کے سبب سے جب زنا میں مبتلا ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی آنکھوں کو تلف اور ضائع کر دے کیوں کہ دوزخ میں تمام بدن کو داخل کرنے سے تو بہتر ہے کہ دو آنکھوں کو ضائع کر دے۔

نیز انجیل متی میں عیسیٰ علیہ السلام سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ آدمی سرراہ نماز ادا نہ کرے بلکہ حجرہ کے اندر دروازہ بند کر کے نماز پڑھے اور روزہ دار چرب اور چکنے چہرے کے ساتھ باہر آئے تاکہ ریاکاری سے محفوظ رہ سکے۔

نیز توراۃ میں خنزیر (سؤر) کھانے سے اور داڑھی منڈھوانے سے منع کیا گیا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے حواری ریش دار تھے اور انگریزاں ان بزرگوں کی تصاویر بھی بڑی خوبیوں اور محاسن کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

جب یہ بات ثابت اور واضح ہو چکی تو اب صاحب سیر کی یہ تحریر بھی پڑھ لیجیے لکھتے ہیں ان کے شہر میں کوئی گلی اور کوئی کوچہ ایسا نہیں ملے گا جس میں فاحشہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ "ویسٹ منسٹر" جو ان کے بادشاہ کا دار الامارۃ اور لندن کا ثلث حصہ ہے ایک ایسا محلہ ہے جو "ممبر لنی پرس" کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں ساٹھ ہزار فاحشہ خانے ہیں اور ان سب فاحشہ عورتوں کی معاش وروزی زنا ہے۔ اور خنزیر خوری پر انتہائی حریص ہیں۔ چند سال پیشتر شوریٰ کے حکم بالکل روک دیا گیا۔ اور یہ لوگ اوقات عزیزہ کو ہر روز موتراشی اور تشبیہ نسواں میں برباد کرتے ہیں۔ موتراشی کی خواہش ریاکاری ہے۔ بالوں کے ازالہ کا باعث صفوت طبیعت نہیں ہے۔

زیرِ ناف اور بغل کے بالوں کی صفائی کی بات ہی کیا۔ ان کے ازالہ کی طرف کوئی التفات نہیں رکھتے ہیں۔ اسی سے ان کی بے دینی اور ریاکاری کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ ع قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا۔

اور یہ پہلا اصول نہیں ہے، جس کو پامال کیا گیا ہو بلکہ تمام احکامِ الٰہی کو اسی قسم کا صاف جواب دے چکے ہیں۔ اس گمراہی و ضلالت کا سبب رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدمِ اتباع ہے۔ ؎

محال است سعدیؔ کہ راہ صفا توآں رفت جز در پئے مصطفےٰ

اے سعدیؔ دامنِ مصطفےٰ کو چھوڑ کر راہِ حق پر چلنا محال اور ناممکن ہے۔

اس فرقہ کا معمول یہی ہے کہ کسی وقت دنیا کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو کسی وقت طلبِ معاش کے مشاغل سے خود کو فارغ رکھتا ہے اور لذائذ عاجلہ اور تعلقات پراگندہ جن کو فنا کے سوا کوئی چارہ نہیں اور آخر کار انھیں بادِ فنا اڑا لے جاتی ہے۔ ان لذّتوں کو پوری طرح حاصل کرنے کی پوری ہمت کے ساتھ کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اور موت کی یاد اور آخرت کے احوال سے بالکل غافل ہے۔ اور قرآنِ کریم کی یہ آیتِ طیبہ ان کے برے انجام کے حال کی نشان دہی کر رہی ہے۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل: یہ لوگ چوپائے کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اور جو بات بھی ان کی غرض اور مقصد کے موافق ہوگی دل و جان سے قبول کرلیں گے اگرچہ وہ بات غیر معقول اور باطل ہو۔ اور جو بات بھی ان کی مرضی کے خلاف ہوگی اس کو انکار کردیں گے۔ اگرچہ وہ بات معقول اور حق ہو۔ صم بکم عمی فھم لا یعقلون (یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، عقل و دانش سے خالی ہیں۔) ان کی حالت کا وصف ہے۔ ان سے بات کرنا اور جواب دینا اوقات کو ضائع کرنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

سوال کرنے والے شخص کے نزدیک نظر صرف روح اللہ پر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے پیغمبر کے ساتھ فضیلت میں شریک ہیں۔ جواب کا حوالہ یہود پر ڈال دینا چاہیے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور نصاریٰ کے مخالف ہیں۔ پس ان کا جو جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔ ان میں سے ہر فریق دوسرے فریق کو کافر قرار دیتا ہے اور ہر ایک دوسرے کی تقبیح

خصلتوں اور شنیع عادتوں کا اظہار کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی خصومت کی ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے، کیوں کہ ہر دو طرف کی موت ہمارے لیے تہنیت ہوتی ہے۔

اس سے پہلے علامہ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس مالکی نے بھی اس سوال کا جواب تحریر کیا ہے۔ آپ کے استفسار کا جواب لکھے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا یہ مسکین علامہ کا جواب نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ کیوں کہ وقت اس مسئلہ کی مزید تحقیق و تدقیق اور تفصیل میں مانع ہے۔

علامہ شیخ "اجوبۃ الفاخرۃ عن الاسئلۃ الفاجرۃ" میں فرماتے ہیں:

قرآنِ کریم میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی روح اور کلمہ ہیں اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اس کا جواب کئی طریقے پر ہے۔

روح اور کلمہ سے وہ معنی مراد لینا محال ہے جو تم دعویٰ کرتے ہو اور کسی معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والے شخص سے بھی یہ کیسے لائق ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اور تمام اقطار و ممالک میں عیسیٰ علیہ السلام کی ایک صفت کا اعلان کرے اور پھر اسی صفت کے معتقدین سے قتل و قتال کرنے اور ان کی اولاد کو قید کرنے اور ان کے اموال کو سلب کرنے کا حکم دے۔ ایسی صورت میں تو وہی کافر قرار دئے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ کیوں کہ وہ دوسروں کی طرف کفر کی اضافت کرکے ان کو ضرر و نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے حالاں کہ تمام مذاہب و ملل کے مومن اور کافر اس بات پر متفق ہیں کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم صفات بشریت میں سیرت و صورت اور عقل و رائے کے اعتبار سے اور حیثیت سے اکمل الناس ہیں۔ کیوں کہ وہ تمام امور محسوسہ ہیں اور ان کے درمیان اختلاف صرف رسالتِ ربانیہ ہی میں ہے۔ پھر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ بات کیوں کر مناسب ہوگی، مذکورہ کلام کہنے کے باوجود اس کے معتقدین سے جنگ کرکے کافر قرار دے۔

اسی طرح رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب اور فضلاء سے بھی یہ بات کیوں کر مناسب ہوگی کہ مذکورہ کلام کہنے کے باوجود اس کے معتقدین سے جنگ کرکے کافر قرار دے۔

یہ اس بات پر برہانِ قاطع ہے کہ بے شک مذکورہ کلام (عیسیٰؑ روح اللہ و کلمۃ اللہ۔) کی مراد وہ نہیں ہے جس کو قائل نے سمجھا ہے اور نصاریٰ بھی اس کے قائل اور معتقد ہیں:

اوّل: روح کی معنی کئی ہیں۔ بے شک روح کا معنی مشرق اور مغرب کے درمیان چلنے والی ہوا ہے۔ اس کے لیے ریح اور روح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی جمع ریاح، ارواح آتی ہے۔

دوم: روح حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام ہے اور انھیں روح القدس کہا جاتا ہے۔ نیز جسم حیوانی کا قوام جس پر ہو اسی کو کہتے ہیں۔

کلمہ: اس لفظ کا نام ہے جو اصواتِ مقیدہ سے مرکب ہو اور وہ لسانی کلام کا جز ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً:

بے شک کلام دل ہی میں ہے اور زبان اس کی ترجمان ہے۔

سارا عالم اس بات پر متفق کہ نفس انسانی خیر و شر سے بات کرتا ہے اور کلمہ ان حروف کو کہا جاتا ہے جو لفظ پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلمہ کی تحریر اچھی ہے اور یہ کلمہ حروف سے لکھا ہوا ہے۔

جب روح اور کلمہ کے متعدد معنی ہیں تو پھر کس معنی پر محمول کیا جاے۔ نصاریٰ کا ہوائے نفسانی کے تحت اس لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا انصاف سے بعید اور باطل ہے۔

سوم: یہ جواب مذہبی اعتقاد کے موافق ہے۔ الزامی جواب نہیں۔ قرآن کریم کے اندر عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روح اللہ کا جو لفظ آیا ہوا ہے اس کا معنی بدنِ حیوانی کو قوام دینے والا نفس ہے۔ اللہ تعالےٰ عیسیٰ علیہ السلام کے اندر روح پھونکنے کا معنی یہ ہے کہ اس نے ایک روح پیدا کی اور ان کے اندر پھونک دی۔ کیوں کہ تمام انسانوں کی ارواح پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اللہ کی ارواح ہیں اور ہر ایک حیوان کی روح بھی اللہ کی روح ہے۔ کیوں کہ عربی زبان میں اضافت، صادق ہونے کے لیے ادنیٰ مناسبت کافی ہے۔ جیسے ایک لکڑی اٹھانے والے سے یہ کہا جاتا ہے کہ تیری طرف اٹھاؤ۔ ان کی مراد اس لکڑی کی طرف ہے۔ پھر اٹھانے والے کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

اسی طرح یہ کہا جاتا ہے کہ زید کا ستارہ طلوع ہوا۔ حالاں کہ زید اور اس کے درمیان

صرف نسبتِ مقارنت ہے۔ پھر تمام ارواح کو اللہ کی طرف نسبت کیوں نہیں کر سکتے۔ حالاں کہ ان تمام ارواح کا خالق اور مدبّر اللہ تعالےٰ ہی ہے۔

مذکورہ آیت سے متعلق جب بعض فضلاء و علماء سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا :

اللہ تعالےٰ نے اپنی ارواح میں سے ایک روح عیسیٰ علیہ السلام کے اندر بھی پھونک دی یعنی تمام حیوانات کی ارواح، اللہ تعالےٰ ہی کی ارواح ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خاص طور پر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ اضافت الی اللہ کے ذریعہ عیسیٰ علیہ السلام کے علو مرتبت اور ان کی عظمت کو ظاہر کرنے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا : کما انزلنا علی عبادنا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان ۔ حالاں کہ تمام بندے اللہ ہی کے ہیں ۔ تخصیص، مخصص کا مقام و مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

کلمہ کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شئے کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو لفظ کُن سے وجود بخشتا ہے اور وہ شئے وجود میں آجاتی ہے۔ جتنی موجودات مخلوقات ہیں وہ سب کلمہ کُن کی طرف منسوب ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو وجود میں لانا چاہا تو ان کی ماں کے بطن سے لفظ کُن کہا اور وہ وجود کا لبادہ اوڑھے جلوہ گر ہوگئے۔ تو یہ تخصیص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و فضیلت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ یہ تو ایک معقول معنی ہے اور اس کے اندر یہ خرابی نہیں ہیں، جیسا کہ نصاریٰ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت عیسیٰ علیہ السلام کے ناسوت میں حلول ہوگئی۔

یہ بڑی عجیب بات ہے اس لیے کہ صفت کا موصوف سے جدا ہونا عقلاً بھی کیوں کر ممکن ہے؟ اور اگر ہم میں سے کسی سے یہ بات کہی جائے کہ تیرا عمل اور تیری زندگی زید کی طرف منتقل ہوگئی تو ہر عقل مند آدمی اس بات کا انکار کر دے گا۔ بلکہ دوسرے کے اندر وہی صفت موجود ہونا ممکن ہے۔ جو اس صفت کے مثل اور مانند ہے۔ اور بذاتِ خود ایک صفت، ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا محال ہے۔ کیوں کہ حرکات، جسم کی صفات ہیں اور صفت جسم نہیں ہے۔ اگر نصاریٰ یہ کہے کہ اجسام صفات ہیں اور صفات اجسام ہیں اور مختلف متباین احکام ایک ہی شئے ہے تو ان سے ہماری بات ہی نہیں۔ اور ہمارا گمان یہی ہے کہ وہ اسی بات

کے قائل ہیں اور یہ بات عقلی اور نظری اعتبار سے بعید ہے۔

حاصل کلام!

یہ تمام عربی زبان کی کتاب کے کلمات عربیہ ہیں۔ لہذا جو شخص عربی زبان کی اضافات، تعریفات، تخصیصات، تعمیمات، اطلاقات، تقییدات اور باقی استعمالات کو اچھی طرح جانتا ہو اسی کو بات کرنے اور استدلال کا حق حاصل ہے اور جس شخص کے اندر یہ صلاحیت نہ ہو وہ اہلِ علم کی تقلید کرے اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کے متعلق لب کشائی نہ کرے۔

علامۂ شیخ نے جو باتیں کہی ہیں وہی مخالف کا جواب ہے اس کے ساتھ انتھی۔

اگر مخالف روح کے لفظ سے معنی حقیقی مراد لیں تو مکابرۂ[1] پیش آئے۔

اس کا جواب وہی ہے جو میرے جدّ محترم حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی علیہ الرحمہ نے اپنی منظوم تصنیف "معجزۂ مصطفٰےؐ" میں سرورِ انبیاء علیہ السلام کی مدح و توصیف میں اس قسم کے سوال و جواب میں لکھا ہے: ؎

کریمیکہ بخشید مارا النعیم — یتیمے کہ افشاند درِ یتیم
سراجِ ہدایت دلِ روشنش — فدا گشتہ روح الامین بر تنش
بعیسیٰ کہ بد جانِ اہلِ کمال — لقب داد روح ایزد ذوالجلال
چو از حُبّ خود داد او را نصیب — ز حُبّ خواند محبوب خویش و حبیب
ہمہ جائے محبوب رجان کنند — بر و روح را نیز قربان کنند

وہ کریم (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) جس نے ہمیں نعمتیں بخشیں، وہ یتیم جس نے علم و ادب کی موتیاں بکھیر دیں جس کا قلبِ روشن، چراغ ہدایت ہے۔ جس کے تن پر روح الامین (جبرئیلؑ) فدا ہو گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام اہلِ کمال کی جان تھے۔ کیوں کہ انھیں رب ذوالجلال نے روح اللہ کا لقب دیا۔ اللہ نے محمدؐ عربی کو اپنی محبت کا ایک حصّہ عطا فرمایا اور انھیں محبت سے اپنا محبوب اور اپنا حبیب پکارا اور ہر جگہ روح پر محبوب کو عزیز سمجھا اسی لیے روح کو محبوب پر قربان کر دیا۔

یہ سوال مقدر کا جواب ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روح اللہ

---

[1] مکابرہ کا معنی ہے بحث کر کے کسی پر اپنی بزرگی اور برتری ثابت کرے۔ مترجم، ابو النعمان غفرلہٗ

کہا اور آں حضرت کو رسول اللہ کہا۔ لہذا عیسیٰؑ آں حضرتؐ سے افضل ہوئے۔

اس جواب کی تقریر یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے روح کہا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب کہا اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ روح کو اپنے محبوب پر فدا کر دنیا ہے۔ لہذا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام سے افضل و برتر قرار پائے۔

ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین ❁

صلی اللہ علیہ وسلم

سید سراج الدین منیرؔ: حیدرآباد

نورِ مجرد حسنِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
ذاتِ محمدؐ جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سیّد عالم صاحب دوراں، صورتِ قرآں سیرتِ یزداں
سب سے مکرم سب سے مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

اول و آخر باطن و ظاہر حق کا پیمبر، اکمل و اجمل
سر تا قدم ہے نور کا عالم صلی اللہ علیہ وسلم

آپؐ نہ ہوتے ہوتا نہ عالم، عالم تو عالم ہوتے نہ آدمؑ
وجہِ بنائے عالم و آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلم

بزمِ جہاں ہیں اُن کے قدم سے دشت و جبل ہیں ان کے کرم سے
رحمت ہی رحمت ہر آن ہر دم صلی اللہ علیہ وسلم

چشمِ جہاں ہیں نورِ نظر ہیں، شکلِ بشر ہیں خیر البشرؐ ہیں!
خیرِ مجسم محسنِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

سُن لو منیرؔ اکمرد خدا نے راز کی مجھ کو بات بتائی
اسمِ محمدؐ ہے اسمِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

پیش کش: سید امجد قادری تاڈپتری، متعلم دارالعلوم لطیفیہ ویلور

دارالعلوم کی مختصر تاریخ

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں
نہ ہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

جوہر علم سے آراستہ انسانوں کی پُر جلال زندگی اور جہالت سے بھری ہوئی انسان کی بدحالی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ علم ہی وہ سر ہے جس پہ تاج شہنشاہی رہا۔ اور جہالت ہی کی وہ گردن ہے جس میں ہمیشہ طوقِ غلامی پڑا رہا۔ علم ہی کی وہ بلند پیشانی ہے جو ہمیشہ بدرِ منیر اور شمس النہار بن کر چمکتی رہی اور جہالت ہی کا وہ منحوس چہرہ ہے جو ہمیشہ گمراہی کی غلاظتوں میں لپٹا رہا۔ عزّت و سرفرازی، شرافت و بزرگی، جلال و جبروت، شاہنشاہیت و آمریت ہمیشہ علم کا قدم چومتی رہی اور ذلّت و نکبت، درندگی و بہیمیت ہمیشہ جہالت کے دامن سے ملوث رہی۔ غرض دنیا ابتدائے آفرینش سے اب تک یہی دیکھتی آرہی ہے کہ علم کے سامنے جہالت ہمیشہ سرنگوں رہی۔ علم ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو اپنے مقام سے متعارف کراتا ہے۔ علم ہی وہ ذریعہ ہے جو بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ علم کا تعلق مذہب سے جیسا ہے وہ کسی پہ مخفی نہیں۔ اسلام میں علم کا دوسرا نام مذہب ہے۔ جیسا کہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم حاصل کرو اور یہ بھی دیکھو تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔ معلوم ہوا کہ علم کا دوسرا نام مذہب ہے۔ جیسا کہ بانیٔ اسلام نے فرمایا: علم و حکمت ہمیشہ سے مسلمانوں کا سرمایہ رہا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے مسلمانوں کی دولت ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحکمۃ ضالۃ المومن (علم و حکمت جہاں کہیں بھی ہو) مسلمانوں کی گم شدہ متاعِ عزیز ہے۔

علم دین اور دورِ پُرفتن

آج سے تقریباً تین سو سال پہلے جب کہ سرزمین ویلور پر ہر سو تاریکی ہی تاریکی چھائی تھی، اس صحرائے ویلور کے اندر نور کی جگہ ظلمت نے لے لی تھی اور اس تاریکی میں انسانیت گم ہوتی نظر آئی، کوئی ایسا چراغ نہ تھا جس کے ذریعہ صحیح راستے کا پتہ چلتا۔ مسلمان کا وجود ضرور تھا، لیکن اسلام کی روحِ حقیقی روح سے خالی جو لوگ بھی تھے ان پہ جمودی کیفیت طاری تھی۔ علمِ دین سے بالکل نا آشنا تھے۔ روحانیت مادّیت میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نازک دور میں جب کہ اس خطے کے لوگوں کا مقصدِ زندگی اور مسلمانوں کی متاعِ عزیز کا خاتمہ ہو رہا تھا قدرت نے رحم فرماتے ہوئے گلشنِ رسالت کے پُربہار باغ سے ایک ایسا تازہ دم لہکتا ہوا پھول جس کے ذریعہ صحرا کو گلشن میں تبدیل کیا جا سکے، جس کے ذریعہ اسلام کو دُور تک پھیلایا جا سکے۔ جس کے ذریعہ انسان خصوصاً مسلمانوں کی جمودی کیفیت کا خاتمہ ہو سکے منتخب فرمایا۔ وہ پھول بیجا پور سے منتقل ہو کر مختلف مقامات سے ہوتا ہوا سرزمین ویلور کے اس مقام پہ خیمہ زن ہوا جہاں پہلے کچھ نہ تھا۔ اور اب سب کچھ ہے۔ اس تاریک رات میں جب کہ ہر سُو سناٹے کا عالم تھا، فضائے بسیط پہ جمودی کیفیت طاری تھی، آسمان پہ ستارے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ آج اس ویرانے میں کسی لازوال پھول کی خوشبو پھیل رہی ہے۔ وہ کون سی ایسی روشنی ہے جو اس خطّے کو جگمگا رہی ہے۔ وہ کون سی مقدّس ہستی ہے جس کی وجہ سے رحمتِ خداوندی کی مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ اسی دوران اس مردِ خدا کے رویا میں بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں: نورِ عین تمہارا مقام یہی ہے اور تمہیں یہیں رہ کر خدمتِ اسلام انجام دینا ہے۔ گم راہ خلقِ خدا کی ہدایت کرنی ہے۔ غرض یہ کہ آقاؐ نے رویا ہی میں پوری ہدایت فرمائی۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو وہ ظاہر میں بھی اس کی تصدیق ہو گئی۔ وہ خواب یوں شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے کہ اس مردِ خدا باصفا نے مستقل قیام پذیر ہو کر تبلیغی کام اس انداز سے شروع کیا کہ جو بھی اس مردِ قلندر کی بارگاہ میں آیا ایک آفتاب بن کر نکلا۔ اس اللہ کے ولی نے ایک ایسے کارخانے کی بنا ڈالی، جس کے اندر بگڑی ہوئی مشینِ انسانیت کے ہر پُرزے کی اصلاح کی جا سکے۔ اس کے اندر ایسے ایسے ماہرِ فن معمار تیار کئے گئے۔ جنہوں نے وہاں سے نکلنے کے بعد بوسیدہ عمارتِ انسان کی از سرِ نو تعمیر کی۔

وہ جاہل انسان جو وحشت و بربریت کے غلاظتوں میں لپٹا ہوا ذاہن انسانیت کا داغ تھا اس انسانِ کامل کی بارگاہ سے شریعت کا تاج وار روحانیت کا آفتاب بن کر جگمگایا وہ گل ہو کر نکلا جس کی خوشبو سے آج دنیا معطر ہے۔ جس کی مثال آج خطۂ مدراس میں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ یہ وہی انسانِ کامل ہے جسے دنیا حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری رحمۃ علیہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اور وہ کارخانہ جس کی ارتقائی شکل کو ہم دارالعلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب ویلور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا مزارِ مقدس ویلور کی جامع مسجد کے احاطے میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ کی ابتدا اور بعد کی حالت

ابتدا کچھ دنوں تعلیم مسجد ہی میں ہوتی رہی پھر کچھ عرصہ بعد ایک اوسط درجہ کی عمارت تعلیم کے لیے بنائی گئی اور تعلیم سلوک کے لیے خانقاہ بھی مستقل وجود میں آیا۔

بانی مدرسہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے صاحب زادے خلف اکبر حضرت مولانا رکن الدین محمد سید شاہ ابو الحسن قربی ویلوری قدس سرہٗ العزیز جو دکن کے زبردست اولیاء اللہ سے گزرے ہیں جو علوم منقول و معقول اور عرفان میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جب انھوں نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی تو ایسے ایسے زبردست علماء ان کی بارگاہ سے نکلے جو اپنی مثال آپ تھے انہیں کی بارگاہ کے دو ایسے آفتاب ہوے جو اپنے زمانہ کی بے نظیر ہستیوں میں سے تھے۔ ایک آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ثانی ذوقی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ تصانیفِ کثیرہ ہیں اور دوسرے مولانا باقر آگاہ مدراسی کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ بھی کثیر کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کا وصال سنہ ۱۱۸۲ھ میں ہوا۔ مزارِ مقدس احاطۂ خانقاہ ہی میں مسجد کے مشرقی حصے میں اندرونی قبہ میں ہے۔

پھر آپ کے بعد مدرسہ کی اہم خدمت کو حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذمہ لیا اور اسی اسلوب پر چلاتے رہے جس طرح آپ کے جدِ امجد قدس سرہٗ العزیز نے چلایا۔ بہت سے شیدائے علم نے آپ کے پاس رہ کر گوہر مقصود کو پایا اور دنیا کے اندر ماہتاب بن کر چمکے۔ چند دنوں بعد ہی سنہ ۱۱۹۴ھ میں آپ نے دارفانی سے کوچ فرمایا اور احاطۂ گنبد کے اندر ہی آرام فرما ہیں۔ پھر

پھر آپ کے بعد زمامِ دارالعلوم آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن قادری محوی ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھوں میں لیا اور بہت ہی حسن وخوبی کے ساتھ اُمورِ دارالعلوم انجام دیتے رہے۔ ہزاروں تشنگانِ علوم نے اپنی پیاس بجھائی۔ آپ کی وہ بارگاہ تھی جس میں انسان کے علاوہ اجنّہ بھی حصول علم کیا، جیسا کہ واقعہ شاہد ہے۔ اسی طرح خدمتِ دینی کرتے ہوئے آپ ۲۶ رجمادی الآخر ۱۲۴۳ھ میں اس عالم سے رحلت فرما گئے آپ بھی خاندانی گنبد کے اندر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے حضرت مولانا محی الدّین سید شاہ عبد اللطیف ثالث قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ امور دارالعلوم اپنے جدّ اعلیٰ ہی کی طرح نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ آپ کے وقت میں بھی لوگ جوق در جوق آتے رہے اور اپنے مقصود پاتے رہے۔ مولانا عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ باقیات الصالحات، مولانا عبدالحی رح گنگوری مصنّفِ جنان السیّر، مولانا محمد حنیف صاحب بنگلوری و مولانا شاہ بدرالدین رح صاحب مدراسی وغیرہ اسی بارگاہِ پُرانوار کے خوشہ چین اور جبّہ سائی کرنے والے ہیں جن کی ایک نگاہ کرم نے انھیں ماہتاب بنا دیا۔ آپ اپنے وقت کے علم و معرفت کے آفتاب بن کر کائنات میں جگمگائے اور دنیا کو مستفیض کرتے رہے۔ یہ وہی شخصیت ہے جن کو ہم قطبِ ویلور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ بھی خدمت اسلام کرتے ہوئے ۱۲۸۹ھ میں دنیا کو خیرباد کہا اور جنّت البقیع میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پائینتی مدفون ہوئے۔

پھر آپ کے بعد آپ کے صاحب زادے حضرت شمس العلماء رکن الدّین سید شاہ محمد قادری ویلوری قدس سرّہ العزیز نے نظام دارالعلوم لطیفیہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ مدرسہ کی ذمہ داری لینے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھوں مدرسہ کی تشکیل نو کی یعنی ۱۳۰۱ھ میں ایک عالی شان بلڈنگ تیار کی اور اس کی تعلیمی صورت میں ترمیم کرکے اس کا ایک مستقل نصاب تیار کیا۔ آپ کے زمانہ میں تعلیمی حالت بہت ہی بلند رہی۔ یہ وہی دور تھا جب دارالعلوم ہٰذا کے اندر مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا تقی الدین لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالجمیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاوری جیسی شخصیتیں درس دے رہی تھیں۔ ہزاروں طالبانِ علم و معرفت نے آ آکر گوہرِ مراد سے اپنے دامن کو پُر فرمایا۔ بالآخر آپ بھی ۲ ررمضان ۱۳۲۵ھ کو راہیٔ ملک بقا ہوئے اور اسی خاندانی قبہ کے اندر آپ بھی دفن کئے گئے۔

پھر دارالعلوم کی باگ ڈور آپ کے صاحب زادے حضرت شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری رابع المعروف بہ حضرت مکّی ویلوری قدس سرّہ العزیز نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ آپ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ آپ آسمانِ علم ومعرفت کے ماہ کمال تھے۔ بے شمار تشنگانِ علم ومعرفت نے آپ کی بارگاہ میں رہ کر اکتسابِ نورِ علم وعرفان کیا۔ اسی طرح جگمگاتے ہوئے آپ بھی سنہ ۱۳۲۸ھ میں اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جاملے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پائنتی جنّت الماویٰ میں مدفون ہوے۔ پھر آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدّین سیّد شاہ عبدالقادر ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم کام کو اپنے ذمہ لیا اور بہت ہی حسن وخوبی سے امورِ دارالعلوم انجام دیتے رہے اور دارالعلوم اس طرح بامِ عروج پہ رہا۔ آفتابِ نصف النہار ہوکر چمکتا رہا۔ لیکن آپ کی زندگی نے رفاقت نہ کی اور آپ بھی سنہ ۱۳۷۸ھ میں کائنات کی بے ثباتی کو خیرباد کہتے ہوے مبداءِ فیاض سے جاملے۔ اور اسی گنبدِ آبائی میں محوِ خواب ہوگئے۔

اب آپ سے چھوٹے بھائی حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری ویلوری صلعم کی زیرِ سرپرستی اور درمیانی بھائی مولانا ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری کے زیرِ نگرانی اور آپ کے برادر مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمّد طاہر صاحب قادری کی نظامت میں دارالعلوم اسی شان وشوکت سے چل رہا ہے۔ جس طرح چل رہا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ حضرات کی زندگی دراز فرمائے تاکہ دارالعلوم ترقی کے منازل طے کرتا رہے اور طالبانِ علم ومعرفت اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ آمین ثم آمین

وو فاضل مضمون نگار کے وقت یہ تینوں حضرات حیات رہے۔ پہلے حضرت مولانا ابوصالح عمادالدین سید شاہ محمد ناصر قادری المعروف بہ میراں پاشاہ صاحب رجب سنہ ۱۴۰۴ھ میں رحلت کرگئے آپ کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ سنہ ۱۹۶۸ء میں وفات پاگئے۔

اوراس خاندان کے آخری چشم وچراغ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور ۱۴۱۵ھ میں دنیا سے کوچ کر گئے (۶۶)

(ابوالنعمان غفرلہٗ)

دارالعلوم کی نمایاں خصوصیت

دارالعلوم کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں اس کے بانی نے تعلیم شریعت کے لیے درس نظامیہ کو تجویز فرمایا وہیں صاحب المرتبت بننے کے لیے تصوف کی بڑی بڑی کتابیں مثلاً فصوص الحکم مصنفہ ابن عربیؒ۔ شرح فصوص الحکم، جواہر الحقائق مصنفہ حضرت قطبؒ ویلور، جواہر السلوک، مصنفہ حضرت قطب ویلور۔ احیاء العلوم الغزالی، حجۃ البالغہ: شاہ ولی اللہ محدثؒ، تحفۂ مرسلہ بھی داخل درس کیا گیا تاکہ اگر ایک انسان علوم شرائع میں آفتاب ہو تو ساتھ ساتھ رموز طریقت ومعرفت کا ماہتاب ہو۔ مدرسہ کے اس کارنامہ کی زندۂ جاوید تصویر جیسے دیکھنا ہو تو اب بھی بڑی بڑی شخصیتیں اس مدرسہ کی فارغ شدہ خطۂ مدراس میں موجود ہیں اور پیاسی انسانیت کو سیراب فرما رہی ہیں۔ دارالعلوم ہذا باعتبار اپنی نوعیتِ نصاب ومنہج تعلیم کے اس وقت بے مثل وبے مثال ہے۔

کتب خانۂ دارالعلوم ہذا

کتب خانہ کے اندر کتب فقہ احادیث وتفاسیر تصوّف، منطق وفلسفہ، علم معانی وبیان، صرف ونحو، لغات وعروض، تاریخ وسیر کی کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ بہت سی نایاب کتابیں ایسی ہیں جن کا ملنا اب ناممکن سا ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے قلمی ہیں۔ خصوصاً فنِ تصوّف میں کافی سے زیادہ تعداد کی کتابیں موجود ہیں۔ خاص کر خاندانِ اقطابِ ویلور کی بے مثل تصانیف کہ جس کے اندر ایسے مسائل کا حل موجود ہو جو وہم وگمان میں نہیں آسکے مثلاً جواہر السلوک، جواہر الحقائق، فصل الخطاب وغیرہ ایسی کتابیں ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ تصوّف کے وہ لاینحل مسائل جن کا حل میدانِ تصوف کے بڑے بڑے شہسواروں نے تمام عالم کی سیاحی کے باوجود ان کو نہ مل سکا۔ ویلور کی مقدس سرزمین پہ آنے کے بعد انہوں نے ان کتابوں کے اندر اس کا حل بہت آسان طریقہ سے پا یا۔

دارالعلوم کی تربیتی وتعلیمی خدمات

دارالعلوم ہذا کے اندر اس وقت مدرسی کی آٹھ قابل شخصیتیں تعلیمی وتربیتی خدمات انجام دے

رہی ہیں۔ بفضلِ ربّ العزّت تعلیم بہت اچھے پیمانے پر ہو رہی ہے۔ طلباء کی ہر علمی پیاس کو بجھائی جاتی ہے ان کی ہر علمی خدمات کی قدر کی جاتی ہے۔ لڑکے ذوق وشوق سے تحصیلِ علم میں مصروف ہیں۔ دار العلوم جہاں ان کی روحانی تربیت کر رہا ہے وہیں ان کی جسمانی نشوونما کی خدمت بھی بہت اچھی طرح انجام دے رہا ہے۔ طلباء فرصت کے اوقات میں بجائے اس کے کہ وہ شہروں اور پارکوں میں بیکار پھریں، دار العلوم کے احاطے میں حدِّ شرعی کے تحت ان کے کھیل کا انتظام ہے جس سے وہ اپنی جسمانی صحت بھی بہتر سے بہتر بنا سکتے ہیں۔

دار الاقامہ

درس گاہ سے الگ طلباء کے رہنے کے لیے بہت سے کمرے ہیں جس کے اندر باقاعدہ بجلی وغیرہ کا انتظام ہے جس سے بااطمینان اپنی کتابوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ قضائے حاجت کے لیے متعدد استنجے خانے، غسل کے لیے کئی غسل خانے مدرسہ کے احاطے میں موجود ہیں۔ طلباء کی درسی کتابوں کی ذمہ دار بھی دار العلوم ہی ہے۔ وہ طلباء جو از خود کھانے کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں اس کا کفیل بھی مدرسہ ہی ہے تشنگانِ علم ومعرفت کے لیے اب بھی دار العلوم کھلا ہے۔

دار الافتاء

دار العلوم ھذا میں شروع ہی سے دار الافتاء قائم ہے۔ جہاں کہیں سے کوئی استفتاء آتا ہے تو بہت چھان بین تحقیق و تدقیق سے اس کا جواب دیا جاتا ہے بہت سے غیر ممالک سے کئی ایک استفتاء آئے اور اس کے جواب بہت تحقیق سے مدلّل ومکمل دئے گئے۔

یونیورسٹی سے الحاق

دار العلوم کا 22 اپریل 1965ء مطابق 9 ذی الحجہ 1385ھ میں مدراس یونیورسٹی سے الحاق منظور ہو چکا ہے اب یہاں کے طلباء افضل العلماء، منشی فاضل، ادیب فاضل کے امتحانات میں بیٹھ سکتے ہیں، جو بچوں کے کے لیے دینی ترقی کے ساتھ دنیوی ترقیوں کا سامان پیدا کرنے کے مجاز ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اس مقدس آستانہ کو ہمیشہ اپنی رحمتوں سے سدا بہار رکھے اور اس خاندان کے مقدس شخصیتوں کی عمر دراز فرمائے۔ ان سے ہمیشہ خدمت لیتا رہے۔ اور یہ حضرات مخلوقِ الٰہی کی ہدایتوں کا ذریعہ بنے رہیں اور ان کا لگایا ہوا یہ بہارِ گلشن تاقیامِ قیامت سدا بہار رہے۔ آمین ثم آمین۔ ❖

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

خانوادہ حضرت قطب ویلور کے آخری چشم و چراغ

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین

سید شاہ محمد باقر قادری

نور اللہ مرقدہ

سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور

از

افضل العلماء مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری ایم اے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مغل بادشاھوں کی تسخیر دکن کے بعد نواب سعادت اللہ خان اور نواب انورالدین خان کے دورِ حکومت میں جو ساداتِ کرام ترک وطن فرماکر مختلف مقامات سے قدیم کرناٹک آتے رہے ان میں سے ایک خانوادہ خانوادۂ حضرت قطبِ ویلور بھی ہے جو تقریبًا تین صدیوں سے سرزمین ویلور دارالسرور میں آباد ہے۔ اور کتاب وسنّت کی دعوت، تزکیۂ النفوس اور اصلاحِ قلوب کے کام میں مصروف ہے۔ اور اس کا ہر فرد صاحبِ علم وفضل اور صاحبِ ولایت رہا ہے۔ اور اس سے علم وادب کی روشنی پھیلتی رہی اور آج بھی دارالعلوم لطیفیہ کے نام سے ایک عظیم درس گاہ قائم ہے۔

دارالعلوم لطیفیہ سے میرا رشتہ 1968ء میں قائم ہوا جب کہ میں اپنے مادرِ وطن ادھونی (صوبۂ آندھرا) سے یہاں تحصیل علم کی غرض سے آپہنچا۔ تحصیل وتکمیل کے مرحلے سے گزرنے کے بعد اب درس وتدریس وتصنیف اور صحافت کے دور سے گزر رہا ہوں۔ اور تقریبًا دو دہوں سے دارالعلوم کے ترجمان "اللطیف" کی ادارت کے فرائض انجام دیتے آرہا ہوں۔ ربع صدی کے اس طویل دور میں زندگی کا کارواں مختلف نشیب وفراز سے گزرتا رہا۔ کبھی مسرت آگیں خوشیوں وشادمانیوں اور پُر کیف مسرتوں کے لطیف جھونکوں سے قلب وذہن جھوم اٹھے تو کبھی اندوہ ناک سانحوں اور الم انگیز حادثوں اور حوصلہ شکن غموں سے دل ودماغ اور روح لرز اٹھی۔ پچھلے ایک دہے میں تین ایسے الم ناک وغم ناک واقعات پیش آئے جن سے میری زندگی، طبیعت کی جولانیاں اور قلم کی موزونیت متاثر ہوگئی۔ ان میں پہلا حسرت ناک واقعہ حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ کا سانحۂ ارتحال ہے ابھی اس حادثۂ فاجعہ کی کرب ناک یادیں پوری طرح محو بھی نہ ہو پائی تھیں کہ دوسرا تادمِ زیست ناقابل فراموش، جاں گداز واقعہ اپنے شفیق والدِ ماجد حضرت مولانا منشی محمد نور قریشی اشرفی، خلیفہ حضرت حضور محدث اعظم کچھوچھوی اور اپنی مادرِ مہربان کا بیک دن وفات پاجانا ہے۔ اس عظیم سانحہ کے بعد زندگی ایک کرب انگیز تسلسل سے دوچار رہتی کہ تیسرا واقعۂ دل خراش رونما ہوا کہ 12ر نومبر 1994ء بروز ہفتہ کی صبح اعلیٰ حضرت اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

آپ کی وفات سے ایک روز قبل جمعہ کی شب احقر نے ایک خواب دیکھا کہ مسجدِ حضرت مکان

بلند و بالا مینار ٹوٹ کر صحن میں گر رہے ہیں اور ہر طرف عمارتیں لرزتی اور گرتی نظر آرہی ہیں اور ایک زلزلہ کی سی کیفیت محسوس ہو رہی ہے اور اسی کے ساتھ فضا میں مہیب اور بھیانک آواز پھیل رہی ہے اور زمین میں ہر سو شگاف واقع ہو رہے ہیں۔ اور میں اس ہولناک اور ہوش رُبا منظر سے سراسیمہ و حیران ہوں کہ دفعتاً میری آنکھیں کھل گئیں اور دوسرے دن میں اداس اور مغموم رہا۔ لیکن قلب و ذہن اس خوابِ پریشاں کی تعبیر سے ناآشنا رہے اور یہ حقیقت اس وقت آشکار ہوئی جب ہفتہ کی صبح کی پو پھٹنے سے پہلے میرے کانوں میں یہ خبر دہشت آ پہنچی کہ مرشدِ روحانی دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ رہبر درہ نما، ماں باپ اور مرشدِ روحانی کے سفرِ آخرت سے کتنی برکتیں اور کتنی رحمتیں رخصت ہو گئیں.. ان کے تصوّر سے دل اداس اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے زبان پر آہ و فغاں اور نالہ و شکوہ نہیں۔ یہ صبرِ جمیل اور ضبطِ حسین دراصل سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اثر اور فیض ہے۔ ان العین تدمع و القلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا : بے شک اشک بار رہتی ہیں اور قلب غمگین رہتا ہے لیکن زبان قضائے الٰہی و مشیت ربّانی کے خلاف نالہ زن اور فریاد کناں نہیں رہتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبداللطیف قادری (رابع) ہے۔ جو شمس العلماء مولانا مولوی رکن الدین سید شاہ محمد قادری کے فرزند اور حضرت قطبِ ویلور کے پوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے والدِ بزرگوار اپنے وقت کے زبردست عالم و فاضل اور عارف باللہ تھے۔ سینکڑوں انسانوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور آپ کے دورِ سرپرستی میں دارالعلوم لطیفیہ برابر ترقی کی راہوں پر گام زن رہا۔ آپ کی عظیم خدمات سے متاثر ہو کر نظام حیدرآباد نے ایک خطیر رقم دارالعلوم کے لیے روانہ کی تو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور لکھا کہ یہ دارالعلوم اللہ کے بھروسہ پر چل رہا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔

1916ء میں والسرائے ہند نے آپ کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے شمس العلماء کا خطاب پیش کیا۔ 1920ء میں صوبہ مدراس کے گورنر لارڈ ولنگٹن آپ سے ملاقات

کے لیے ویلور آپہنچا۔ اس وقت ویلور میونسپالٹی کے چیرمین سر محمد حبیب اللہ صاحب جن کے ہم راہ حکام وافسران کی بڑی تعداد گورنر کی آمد ورفت کے انتظامات میں مصروف تھے۔ ایک جم غفیر کے سامنے لارڈ اور ان کی اہلیہ آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے اور گورنر نے سر سے ہیاٹ اتار کر تعظیم دی۔ ایک فقیرِ بے نوا کے سامنے حکام وقت کا جھک جانا ایک روحانی کرشمہ ہے۔ بمصداق : ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نبخشد خدائے بخشندہ

مؤلف "انوار اقطاب ویلور" آپ کی شخصیت اور حلیہ واوصاف سے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

"سانولا رنگ، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، چہرہ پُر گوشت و بارعب تھا۔ کوئی شخص آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا تھا۔ سینہ عریض، جسم لحیم، قد متوسط اور آواز بہت ہی وزن اور پُروقار تھی۔ بہت سنجیدہ، متین اور حلیم الطبع تھے۔ طبیعت میں خلق سے بے نیازی بہت زیادہ تھی لیکن خدمتِ خلق کا جذبہ بھی ویسے ہی بھرا ہوا تھا۔ ہر حاجت مند کی حاجت روائی میں کوشاں رہتے تھے۔ دسترخوان کشادہ تھا۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہے۔ دوست و دشمن سبھوں سے شاداں اور فرحاں ملتے رہے۔ آپ کی شخصیت مستجاب الدعوات تھی۔ کئی کرامتوں کا صدور ہوا ہے"

آپ کا نکاح ۱۳۲۲ھ کو حضرت قطب ویلور کے ہمشیر زادے حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری عرف قادر پاشاہ صاحب کی صاحب زادی سے ہوا۔ جن کے بطن سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔ آپ کی دو صاحب زادیوں میں سے بڑی صاحب زادی مولانا مولوی ابوصالح سید شاہ احمد صاحب قادری المعروف بہ سرکار، ورنگل سے منسوب ہوئیں اور دوسری صاحب زادی حضرت سید محمد قادری المعروف بہ مرشد پاشاہ سے منسوب ہوئیں جو آپ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

۱۳۳۸ھ کا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک شب خواب دیکھا۔ دادا محترم حضرت قطب ویلور اور والدِ ماجد حضرت رکن الدین تشریف فرما ہیں اور حضرت قطب ویلور آپ کو

زیارتِ حرمین شریفین کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس پر آپ کے والدِ ماجد فرما رہے ہیں کہ یہ آپ کے دادا محترم ہیں۔ ملاقات کیجیے۔

جیسے ہی آپ ملاقات کے لیے بڑھے، حضرت قطبؒ ویلور نے فرمایا: حرم ہی میں ملاقات ہوگی۔ میں منتظر رہوں گا۔ اتنے میں آپ کی آنکھ کھل گئی۔

دوسری تیسری شب یہی معاملہ پیش آیا۔ تو آپ کو یقین ہوگیا کہ محض یہ خواب نہیں ہے۔ مجھے اب سفرِ حرم شریف پر روانہ ہونا چاہیے اور آپ کے قلب پر یہ راز بھی منکشف ہوگیا اس سفرِ حرم میں محبوبِ حقیقی سے ملاقات ہوگی۔

۳ر شوال المکرم ۱۳۳۸ھ روز چہارشنبہ سفر پر روانہ ہوگئے۔ اس موقعہ پر مریدین، خویش واقارب اور دوست واحباب جمع ہوئے۔ روانگی کے وقت کسی نے آپ کی کم سن اولاد کے تعلق سے کچھ ہدایات اور انتظام کے سلسلہ میں دریافت کیا تو فرمایا: میں اپنی اولاد کو اللہ تعالےٰ کے حوالے کرتا ہوں، وہی ان کا حافظ وناصر ہے۔ اس سفر میں آپ نے اپنے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا مولوی ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کو اپنے ہمراہ رکھا۔

فریضۂ حج بیت العتیق کی ادائیگی کے بعد آپ ابھی مکہ معظمہ میں مقیم تھے کہ ایک روز جنت المادیٰ تشریف لے گئے اور ایک جگہ ٹھہر کر بہت دیر دعا میں مشغول رہے۔ اس وقت آپ کی آنکھوں سے مسلسل اشک رواں تھے۔ یہ منظر دیکھ کر مصاحبین بھی آب دیدہ اور رنجیدہ ہوگئے۔ لیکن کسی نے استفسار کی ہمت نہیں کی۔ اور آپ اپنی قیام گاہ واپس ہوئے اور حضرت مولانا عبدالباسط کو طلب کیا۔ اور انھیں خلافت نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حرم شریف پہنچے اور اپنے ہم سفر بڑے فرزند حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری کو بیعت وخلافت اور ایک سو اکانوے سلاسل کی اجازت دیتے ہوئے اپنے ہی ہاتھوں خرقہ پہنایا اور اسی روز ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ آپ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے روز ۲۰ر ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ کو تجہیز وتکفین عمل میں آئی اور ایک لاکھ سے زائد زائرینِ حرم اور مقامی حجازی باشندوں نے نمازِ جنازہ ادا کی اور آپ جنت المادیٰ میں

اسی جگہ مدفون ہوے جہاں آپ کھڑے ہو کر دورانِ دعا آب دیدہ ہو گئے تھے۔

آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا ابو الفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری حجازِ مقدس سے واپس ہونے کے بعد یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۳۹ھ کو منصبِ سجادگی پر فائز ہوے۔ آپ کی ولادت شب یکشنبہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ھ کو ویلور میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم اپنے ہی مدرسہ دارالعلوم لطیفیہ میں ہوئی پہلے قرآنِ کریم حفظ کیا۔ آپ کے خاص اساتذہ کرام میں مولانا مولوی الحاج محی الدین حسین چیدہ اور مولانا مولوی حافظ و قاری سید قاسم صاحب کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

"خانوادۂ اقطابِ ویلور" کے مصنف مولانا محمد زکریا ادیب خاور لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بچپن ہی سے کریمانہ اخلاق اور شریفانہ وضع قطع کے مالک تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ انتہائی تعظیم و تکریم سے پیش آتے۔ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر شفقت فرماتے۔ حد درجہ حیا پسند اور کم گو تھے۔ کلام کی بہ نسبت سکوت زیادہ فرماتے تھے۔ آپ کی ہر دل عزیزی کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ ہر مذہب کے آدمی کشاں کشاں حضرت کی زیارت اور سعادتِ قدم بوسی کے لیے چلے آتے۔ صبح ہوتے ہی ہندو مسلم ہجوم کا ایک عجیب سماں بندھ جاتا جہاں عفو و درگزر آپ کی فطرت تھی وہاں صبر و تحمل آپ کی خمیر میں داخل تھا۔ حد درجہ غیور تھے۔ کسی رئیس کی محفل میں جانا اپنی فطرت کے خلاف تصور فرماتے۔ اپنے مریدین کی دعوت پر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ زندگی تکلف و تصنع سے عاری تھی۔ آپ کی شخصیت بڑی پُروقار تھی۔ جمالِ باکمال کا یہ حال کہ مجرد دیدار ہی سے سنگ دل موم ہو جاتا۔ بڑے سے بڑا سرکش اور ظالم ہی کیوں نہ ہو، جب آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو سراپا عجز و نیاز اور مرقع خلوص بن جاتا۔ مگر آپ کا یہ وطیرہ رہا کہ اپنی زندگی میں سخت سے سخت مخالف و معاند سے بھی ترش روئی کے ساتھ کبھی پیش نہ آئے بلکہ پوری بشاشت اور انشراحِ قلب کے ساتھ ہمکلام ہوتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے۔ لوگ دُور دُور سے دعا کے لیے حاضر ہوتے۔ آپ کی شان میں حضرت میراں ابو صالح سید احمد جیلی قادری ورنگل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس دنیائے رنگ و بو میں اگر کسی زندہ قطب کو دیکھنا ہو تو اس قطب کو دیکھو جو اقطابِ حضرت مکاں کی خانقاہ میں آیت من آیات اللہ کی سراپا تفسیر اور اصلها ثابت و فرعها فی السماء کا مثالی نمونہ بنے سجادہ نشین ہیں۔

آپ کا عقد سعید ۱۳۵۳ھ میں اپنے حقیقی چچا حضرت سید شاہ غوث پیر قادری کی بڑی صاحب زادی سے ہوا۔ اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۸ھ روز چہار شنبہ صبح ۷ بجے اپنی جانِ جان آفریں کے سپرد کر دی اور اپنے پردادا (حضرت قطبِ ویلور) کی تعمیر کردہ خوب صورت و دیدہ زیب درگاہ شریف میں مغربی سمت حضرت ذوقی علیہ الرحمہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

درگاہِ شریف کی دیوار پر ایک کتبہ چسپاں ہے جس سے اس کے معمار (حضرت قطبِ ویلور) اور تاریخ تعمیر کا ثبوت ملتا ہے۔ وھو ھذا

بنائے روضہ ابن ابو الحسن کرد	بدان آئین کہ رضوان داردش دوست
بفکرِ سال بودم گفت ہاتف	کہ محی الدین ثانی بانی او است

۱۲ ۵ ۴۵

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے حقیقی چھوٹے بھائی اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری منصبِ سجادگی پر فائز ہوئے اور ۷ نومبر ۱۹۹۴ء کو آپ کی ذاتِ والا صفات پر اس خاندان کی سجادگی کا دور منتہی ہو گیا۔ آپ کی زندگی کے اوراق الٹنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دو چھوٹے بھائیوں کا مختصر ذکر کیا جائے۔ جو آپ کی زندگی ہی میں دارِ بقا کی جانب چل پڑے۔

ان میں سے ایک بھائی حضرت مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری المعروف میراں یا شاہ ہیں۔

آپ کی ولادت مورخہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو ویلور میں ہوئی۔ آپ نے دار العلوم لطیفیہ کے علمی و دینی ماحول میں پرورش پائی۔ حیدر آباد تشریف لے گئے تو وہاں بھی جامعہ عثمانیہ میں تعلیم حاصل کی سب سے بڑے برادرِ بزرگ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ان ہی کے زیرِ سایہ تربیتِ باطنی کی نعمت پائی۔

آپ صوفیانہ مزاج اور زاہدانہ طبیعت کے مالک تھے۔ عاداتِ جمیلہ اور اوصافِ حسنہ سے آراستہ تھے۔ ۱۴۰۰ھ میں بیت العتیق و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مقدسہ و متبرکہ سے شرف یاب ہوئے۔

آپ کا عقدِ مسعود اپنے حقیقی چچا حضرت سید شاہ غوث پیر قادری کی چھوٹی صاحبزادی سے ۲۹ ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۳ھ میں ہوا۔ اور آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

آپ کی شخصیت سے متعلق مؤلف "انوارِ اقطابِ ویلور" مولانا مولوی محمد طیب الدین اشرفی مونگیری فرماتے ہیں:

"کتبِ تصوّف سے آپ کو بہت زیادہ قلبی لگاؤ ہے۔ جب بھی آپ کو موقع ملا تو ملفوظات یا کسی مسئلہ تصوّف پر کوئی کتاب مطالعہ فرماتے رہتے ہیں۔ خلق سے بے نیازی اور خصوصًا امراء کے طبقہ سے حد درجہ بے اعتنائی دیکھا۔ حتّی الامکان یہی کوشش رہتی کہ اپنی جانب سے کسی خلقِ خدا کو کوئی ایذا نہ پہنچے۔ خواہ کوئی بھی کیسا ہی سلوک کرے ہمیشہ خاروں کا جواب پھول سے دینے کی سعی فرماتے ہیں۔ جب کبھی میں آپ کے نزدیک بیٹھتا ہوں تو یہی فرماتے کہ ہمیں رزقِ حلال اور اوامر و نواہی کی بجا آوری کے ساتھ خلق کے ساتھ ہمیشہ رحم و کرم، عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔ ہمارا یہی شیوہ ہونا چاہیے کہ خود تکلیف اٹھا کر مخلوقِ خدا کو آرام پہنچائیں۔ یہ نہیں کہ اوروں کی تکلیف کو نظرانداز کرکے اپنے آرام میں محو ہو جائیں۔ یہ شیوہ بندگی نہیں۔ بندگی کا شیوہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے کو تخلقوا باخلاق اللہ کے زیور سے آراستہ کرے۔"

آپ کی وفات ۱۹ ر رجب المرجب سنہ ۱۴۰۴ھ میں ہوئی اور حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں مدفون ہیں۔

یا فتِ عماد الدین حریم کردگار

اور دوسرے سب سے چھوٹے بھائی حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵ ر جمادی الاول سنہ ۱۳۳۶ھ کو ویلور میں ہوئی۔ آپ نے خانقاہ کے روح پرور فضا اور دارالعلوم لطیفیہ کے علمی ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کے اندر انگریزی تعلیم کا ذوق اور رجحان دیکھتے ہوئے برادرِ بزرگ نے آپ کو گورنمنٹ محامڈن ہائی اسکول، ویلور میں داخل کیا۔ ایس، ایس، ایل، سی کے بعد محامڈن کالج مدراس سے بی اے، کی ڈگری لی۔ بی اے، امتحان کامیاب کرنے کے بعد لا، کالج مدراس میں داخلہ لے لیا۔ انگریزی تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود اسلامی ذہن و فکر اور دینی و مذہبی مزاج رکھتے

تھے۔ حسن اخلاق اور عاداتِ جمیلہ کا پیکر تھے۔ عہدِ طفولیت ہی سے شریفانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کا ظہور ہوتا رہا۔ بی، اے، کی ڈگری کے ساتھ جو اخلاقی سند (کیارکٹر سرٹی فکٹ) دی گئی اس کے اندر جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم نے ان الفاظ میں آپ کے کریم اور خلیق ہونے کی شہادت دی۔

"یہ وہ طالب العلم جس کے اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے اساتذہ کرام اس کا احترام کیا کرتے تھے۔"

دنیوی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے سب سے بڑے بھائی حضرت سید شاہ عبدالقادر قادری کے زیرِ سایہ سلوک طے کیا اور ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ روزِ جمعہ بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

آپ کے منصبِ نظارت پر فائز ہونے کے بعد دارالعلوم لطیفیہ کی شان اور آب و تاب میں اضافہ ہوا۔ آپ نے درسِ نظامیہ کی تعلیم و تدریس کے ساتھ طلباء کو مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، منشی فاضل، ادیبِ فاضل میں شرکت کے لیے یونیورسٹی سے دارالعلوم کا الحاق کیا۔ طلبا کی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے بروئے کار لانے کے لیے دائرۃ المعارف کے نام سے انجمن قائم کی اور دارالعلوم کا ترجمان "اللطیف" جاری فرمایا۔

آپ کا عقد حقیقی بڑی پھوپی کی نواسی بنت حضرت سید شاہ میراں محی الدین قادری ورنگل سے ۱۱ رفروری ۱۹۵۱ء کو ہوا۔ اللہ تعالٰی نے آپ کو اولاد کی نعمت بخشی۔ نرینہ اولاد بچپن ہی میں فوت ہوگئی۔ آپ کی دو صاحب زادیاں حیات ہیں۔ بڑی صاحب زادی جناب مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف فصیح پاشاہ ایم اے، ابنِ جناب سید دستگیر پاشاہ قادری حیدرآباد سے منسوب ہے اور دوسری صاحب زادی جناب سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری ابنِ جناب سید تقی احمد شطاری بنگلور سے منسوب ہے۔

آپ کی وفات ۱۹۶۶ء میں ہوئی۔ حضرت مکان کے احاطہ میں واقع قبرستان میں مدفون ہیں۔

اعلیٰ حضرت کی ولادتِ با سعادت ۲۱ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ کو بوقتِ طلوعِ سحر روزِ چہار شنبہ ویلور میں ہوئی۔ مصنفِ "خانوادۂ اقطابِ ویلور" لکھتے ہیں: کہ

آپ کی ولادت کے بعد آپ کے والدِ ماجد نے مسلسل دو روز یہ خواب دیکھا کہ ہر شجر و حجر اور ہر در و دیوار پر ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر لکھا ہوا ہے۔ آپ نے سمجھا کہ نومولود مسعود کا نام یہی رکھنے کے لیے ہدایت کی گئی ہے۔ چناں چہ اسی بشارت کے مطابق آپ کا اسمِ گرامی ابوالنصر قطب الدین سید محمد باقر رکھا گیا۔

آپ نے دارالعلوم لطیفیہ کے دینی اور روحانی فضاؤں میں پرورش پائی۔ قرآن کریم کے چند پارے حفظ کیا اور عربی فارسی کتابوں کا درس لیا۔ اور اپنے برادرِ بزرگ کے زیرِ سایہ سلوکِ باطنی اور فیوضِ روحانی کی دولت سے بہرہ ور ہوئے۔ اور ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ روزِ جمعہ بیعت و خلافت اور ایک سو اکانوے سلاسل میں اجازت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے برادرِ بزرگ و شیخ روحانی کی رحلت کے چالیس دن بعد ۲۲ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ کو مسندِ سجّادگی پر رونق افروز ہوئے۔

آپ کی تقریبِ سجادہ نشینی وسیع پیمانہ پر بصد شان و شوکت منعقد ہوئی جس میں جید علماء و فضلاء اور جمیع سلاسل صوفیاء کے مشائخ شریک رہے۔ اس موقع پر عربی، فارسی اور اردو میں تہنیت نامے پڑھے گئے۔ ایک منثور سپاس نامہ کا کچھ حصّہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے جسے بعض علماء و فضلا اور دینی درس گاہوں کے اساتذۂ کرام اور مختلف شہروں کے عمائدین نے اجتماعی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس سپاس نامہ کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور آپ کے اکابرین کے تعارف کی ایک جھلک ملتی ہے۔

تہنیت نامۂ عقیدت شمامہ

پیر و مرشد! آپ کے اخ بزرگوار مہرِ سپہرِ معرفت ماہِ منزلِ حقیقت، چراغِ راہِ طریقت، مقتدائے واصلین، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، جگر گوشۂ بتولؑ، نائبِ رسولؐ حضرت مولانا و مرشدنا الحاج الحافظ ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قبلہ قادری نور اللہ مرقدہٗ کا انتقال پُرملال ہمارے لیے موجبِ وبال اور باعثِ نکال تھا۔ مگر

خدا کا شکر ہے کہ آپ جیسے برادر لائق وفائق جانشین دل پسند نے، جو اخلاقِ فاضلہ کے زیور جواہر نگار سے مجلّی اور خلقِ عظیم کے خلعتِ فاخرہ سے مزیّن ہیں جان بخشی کی اور قالبِ مردہ میں روح ڈالی ہے۔ سچ ہے : ؎

نگوئے گر روزے دہر نکو تر شود پیدا
چوں گیرد قطرۂ راہِ عدم گوہر شود پیدا

پیر و مرشد ! آپ کے عہدِ طفلی سے ہم آپ کو بڑے باوقار و نیک کردار پاتے ہیں اور آثار رشد و اہتداء اور انوارِ صفوت و صفا آپ کے رخِ انور سے تاباں و ہویدا ہے : ؎

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

آپ کے ابائے کرام اپنے اپنے زمانہ میں قوم کے اقتضائے حالت کے موافق ارشاد و ہدایت فرماتے رہے اور سامانِ عروج و ترقی فراہم کئے مگر حضرت قطبِ ویلور قدس سرّہٗ نے تو انوارِ فیوض و برکات ملک دکن ہی میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان اور عرب و چین میں پھیلا دئے۔ حضرت کے خلفائے نام دار، جو سرآمدِ روزگار تھے ہر ملک میں موجود رہے اور اشاعتِ دین و ملّت و احیائے توحید و سنّت کرتے رہے : ؎

دل حسرت زدہ تھا مائدہ لذّت درد
کام یاروں کا بقدر لب و دنداں نکلا

آپ کے جدِّ امجد شمس العلماء مولانا و مرشدنا الحاج رکن الدین سید شاہ محمد قبلہ قادری قدس سرّہٗ العزیز نے قوم میں جہالت و بے عملی پھیلتے ہوئے دیکھ کر مدرسۂ لطیفیہ عربیہ کی تشکیلِ جدید فرمائی، جس کو آپ کے والدِ ماجد اور اخِ بزرگوار نوّر اللہ مرقدہم نے بڑی محنت اور جانکاہی سے سنبھالا اور ہماری امیدوں سے بڑھ کر اس مدرسہ کی رونق کو بڑھایا جیسے آپ کے جدِّ امجد قدس سرّہٗ قومی کاموں میں دلچسپی لیتے رہے، آپ کے والدِ امجد اور آپ کے اخِ بزرگوار نوّر اللہ مرقدہم بھی اسلام اور اہلِ اسلام کی ترقی و فروغ میں مساعی رہے۔

ہم کو پوری امید ہے کہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات سے ہزاروں کو فیضِ روحانی د

جسمانی میں اپنے آبائے کرام کے نقشِ قدم پہ چلیں گے۔ اسلام اور اہلِ اسلام کی بہی خواہی میں
سعیٔ مشکور فرماتے رہیں گے۔

پیرومرشد! جس دودماں کی آپ شمعِ کمال، اور جس بوستان کے آپ نونہال ہیں ملکِ مدراس میں ایسا جلال وکمال والا رہا کہ ہمارے آباء واجداد کے دل ہمیشہ اس خاندانِ عظیم الشان کی روحانی روشنی سے منور اور علوم ظاہری سے بہرہ ور رہے۔ اگرچہ اُن زمانوں میں ملکِ مدراس کو عارفانِ کامل، مشائخانِ واصل، علمائے فاضل اور محققانِ آگاہ دل پہ ناز رہا۔ مگر علوم ظاہری وباطنی کا تاج آپ ہی کے آبائے کرام کے سروں پہ رہا اور اوّلیت وافضلیت کا تمغہ آپ کے بزرگوں کے سینوں پہ ہی چمکتا نظر آیا۔ آٹھ پشتوں سے آپ کا خاندانِ فضیلت نشان دارالسرور ویلور میں انہارِ فیض پہ سارہا ہے اور آپ اس دودمان کے نویں ۹ جانشین ہیں۔ جیسے آپ کے بزرگوں نور اللہ مرقدھم جواہرِ علوم صوری ومعنوی سے ہمارے آباء واجداد کے دامان مالامال کئے ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ بھی اسی طرح فیض علوم ظاہری وباطنی سے ہمیں نہال کریں گے۔ اور جیسے آپ کے جدامجد اور آپ کے والد ماجد اور آپ کے اخ بزرگوار نور اللہ مرقدہم نے اپنے خاندانی فیض کو کم ہونے نہیں دیا اور بڑی شان وآن وبان سے اس سرچشمۂ فیض کو جاری رکھا ہمیں امید ہے کہ آپ بھی اس خاندانِ فضیلت نشان کے فردِ کامل ہونے کے اعتبار سے فضل وکمال میں عدیم المثال رہیں گے اور مہمان نوازی اور مسافر پروری میں اپنے آبائے کرام کا نمونہ ومثال بنے رہیں گے۔

خدائے تعالےٰ آپ کا سایۂ ہُما پایہ ہمارے سروں پر دیرگاہ سلامت رکھے گا اور آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو ملک وملّت کے لیے فائدہ بخش بنائے گا۔

بسط اللہ ظلکم ابدا   سایہ ات کم مباد از سرِ ما

ہم آپ کو اپنے آبائے کرام نور اللہ مرقدھم کی مسند پہ جلوہ افروز ہونے اور سجادۂ خلافت کی زینت بڑھانے پہ مبارکباد عرض کرتے ہیں اور خود ہم اپنے آپ کو مبارکباد دے لیتے ہیں کہ ہماری خوش قسمتی سے آپ جیسا روشن ضمیر ہادی اور رہبر ملا اور سجادۂ خلافت خانقاہِ اقطابِ ویلور کو زینت بخشا:

احقر العباد خطیب محمد زکریا ایمن یوسفی

متوطن پرنام بہٹ ترپرمود

روز یکشنبہ ۲۲ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ م ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء

آپ کے دست مبارک پر بہت سارے لوگ بیعت سے مشرف ہوئے جن میں حضرات علماء کی بھی خاصی تعداد ہے۔ آپ نے اپنے برادرِ عزیز کے دو داماد مولانا سید شاہ عثمان قادری اور مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری کے علاوہ بعض مخصوص علماء کرام کو خلافت عطا کی۔ تاکہ ان خلفاء کے ذریعہ تعلیم کتاب و سنّت کے ساتھ تزکیۂ نفس اور تصوّف کا سلسلہ جاری وساری رہ سکے۔ اس مقام پر چند خلفاء کا مختصر سا تعارف پیش ہے۔

مولانا مولوی ابو المکارم سید شاہ مصطفیٰ حسین بخاری لطیفی: بخاری صاحب کو حضرت قاضی سید مصطفیٰ حسین کڈپوی داماد حضرت سید شاہ محمد قادری ہمشیر زادۂ حضرت قطبؒ ویلور کے واسطہ سے اعلیٰ حضرت کے رشتہ دار ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ آپ نے دار العلوم لطیفیہ میں مولوی عالم اور مولوی فاضل کی تعلیم پائی اور ایک طویل عرصہ تک دار العلوم میں درس و تدریس اور "اللطیف" کی ادارت کا کام انجام دیتے رہے۔ آپ نے حضرت قطبؒ ویلور کی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف "جواہر السلوک" کو اردو قالب میں ڈھالا ہے اور اس کا ایک حصّہ شائع ہو چکا ہے۔ دار العلوم سے مستعفی ہونے کے بعد اپنے شہر کڈپہ چلے گئے اور وہاں ھدیٰ انگلش میڈیم اسکول کی بنیاد رکھی جو آج جونیر کالج کی شکل میں تبدیل ہو رہا ہے۔ تقریر و خطابت اور درس و تدریس اور بیعت کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ سر قاضی قادری لطیفی: آپ تورگل (کرناٹک) کے ایک مشہور قدیم دینی اور قاضی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے دار العلوم لطیفیہ میں مولوی عالم اور مولوی فاضل کی تعلیم پائی، مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور میسور یونیورسٹی سے ایم۔اے؛ کی ڈگری لی۔ دار العلوم لطیفیہ میں درس و تدریس کی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت آپ کی مدرسی کا دَور ربع صدی سے متجاوز ہو چکا ہے۔ فقہ اور فرائض میں گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ افتاء نویسی کی خدمت پر مامور ہیں۔ ضلع شمالی آرکاٹ کے گورنمنٹ قاضی مقرر ہیں۔ قضاء اور اس سے متعلق امور کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

مولانا مولوی سید شاہ عبدالجبار باقوی قادری آپ کا آبائی وطن پردولٹور ہے۔ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور میں تعلیم حاصل کی اور اسی درس گاہ میں مدتِ مدید تک درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ایک طویل عرصہ تک منصب نظارت پر فائز رہے۔ پرنسپل شپ سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد کڈپہ میں سکونت اختیار کرلی اور وہاں ایک مخیر شخصیت کی وساطت سے جامعۃ العلوم الثنائیہ قائم کیا اور نظارت و درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے اندر تقریری اور تحریری صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ آپ کا خاص موضوع فن تفسیر ہے "مضامین تفسیرِ اُم الکتاب" اور "فقہی اختلاف" آپ کی مقبول کتابیں ہیں۔

بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔

مولانا مولوی سیّد برہان الدین عنطری حرزی باقوی قادری: آپ جزیرۂ عنطروت کے باشندہ ہیں۔ مدرسۂ باقیات صالحات ویلور میں تعلیم پائی۔ دارالعلوم لطیفیہ ویلور میں چند سال تک درس دیتے رہے۔ آپ عربی زبان و ادب کے ماہر اور اچھے انشاء پرداز ہیں۔ عربی میں شعر کہتے ہیں۔ تین سال قبل راقم الحروف المرکز الثقافۃ السُّنیہ کالی کٹ کے سالانہ اجلاس میں شریک ہوا تو اس وقت موصوف سے ملاقات ہوئی تھی۔ دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ آپ اسی درس گاہ میں درس و تدریسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مولانا مولوی شبّیر احمد اکرمی لطیفی قادری: آپ نے دارالعلوم لطیفیہ میں مولوی عالم اور مولوی فاضل کی تعلیم حاصل کی اور مدّتِ مدید تک اسی درس گاہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ان دنوں اپنے وطن بھٹکل میں مقیم ہیں، اور وہاں کے قاضی ہیں۔ قضاء اور اس سے متعلقہ امور کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور تعلیم، امامت و خطابت کے صیغہ سے منسلک ہیں۔

مولانا مولوی پی۔ کے۔ موسیٰ باقوی قادری کلفرم آپ نے مدرسۂ باقیات صالحات ویلور میں تعلیم پائی۔ کئی سال تک دارالعلوم لطیفیہ میں مدرّس رہے ان دنوں باقیات صالحات میں درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ عربی

زبان کے ممتاز صاحبِ قلم ادیب اور شاعر ہیں۔

مولانا مولوی حافظ سید شاہ یوسف بغدادی لطیفی قادری: آپ نے دارالعلوم لطیفیہ سے مولوی عالم اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کی سند حاصل کی۔ ان دنوں اپنے شہر کڑپہ میں مقیم ہیں۔ مدرسۂ اسلامیہ کڑپہ کے نائب ناظم ہیں۔ موصوف ایک ایک اچھے شیریں بیان واعظ ہیں۔ آپ سے بیعت کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مولوی شاہ محمد ابو بکر ملیباری، لطیفی قادری: آپ نے دارالعلوم لطیفیہ میں یسرنا القرآن سے لے کر مولوی فاضل تک تعلیم حاصل کی۔ مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء اور منشی فاضل کی ڈگری لی۔ اور اپنی مادرِ علمی دارالعلوم لطیفیہ ہی میں درس تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور "اللطیف" کی مجلسِ ادارت میں شامل ہیں شعر و سخن کا مذاق رکھتے ہیں۔ نعت اور مرثیہ میں طبع آزمائی کی ہے۔

مولانا مولوی حافظ احمد اللہ خان مظہر صدیقی بنگلور: آپ کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم لطیفیہ میں ہوئی۔ اس وقت بنگلور کی پیرلین مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ایک شعلہ بیان خطیب ہیں۔ بنگلور اور اس کے گرد و نواح کے اکثر و بیشتر افراد آپ کی ترغیب و تعلیم کے باعث اعلیٰ حضرت قبلہ مرحوم کے ہاتھوں پر بیعت سے مشرف ہوئے ہیں۔ مظہر صدیقی الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق روحانی برکات کے اجر یاب ہیں۔

سماحۃ الشیخ عبداللہ هزیم قادری بحرین: آپ المنامۃ کے باشندے ہیں۔ بحرین کے مذہبی و دینی اور روحانی خانوادہ کے فرد ہیں۔ اور وہاں کے علمی و دینی حلقہ میں معروف اور مقبول ہیں۔ اور حکومتِ بحرین کے "ادارۃ الشؤون الاسلامیۃ والاوقاف" میں جنرل سوپر وائزر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ویلورسی۔ایم۔سی۔ہسپتال سے قریب میں واقع مسجد علی سلطان جہاں راقم الحروف امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اسی مسجد میں موصوف سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، جو بغرضِ علاج ہندوستان آئے ہوئے تھے۔ اور آپ میرے ہمراہ اکثر دارالعلوم لطیفیہ تشریف لاتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کی پر وقار شخصیت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے اور

حلقۂ ارادت میں شامل ہوکر خرقۂ خلافت پہنا۔

راقم الحروف کو بھی اعلیٰ حضرت کے خلفاء میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ عرفہ کے دن خانقاہِ عالیہ میں دارالعلوم کے اساتذۂ کرام اور علماء و خواص کی موجودگی میں اعلیٰ حضرت نے اس عاجز کو بیعت و خلافت اور سندِ مصافحہ سے سرفراز فرمایا۔

اس مقام پر سندِ مصافحہ کا لفظ شاید بعض حضرات کے لیے الجھن اور تجسّس کا باعث ہو۔ اس لیے مناسب معلوم ہورہا ہے کہ یہاں سند کا وہ اہم حصّہ نقل کیا جائے، جس سے یہ حقیقت آشکار ہوجائے کہ اس خانوادہ کے فیوضِ روحانی میں سے ایک چیز مصافحہ ہے۔

"چوں مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ابن الحاج مولوی منشی محمد نورُ قریشی از فقیر ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر قادری التماس نمود کہ مصافحہ کردہ اجازت مصافحہ بطریق یہ کہ از آبائے کرام خود بفقیر رسیدہ است باو عطا کنم۔ لہٰذا بموجب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ من صحافنی وصافح من صحافنی الی یوم القیٰمۃ دخل الجنۃ کما اور وہ مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی فی الانتباہ فی سلاسل الاولیاء و افضل العلماء ارتضاء علی خان صفوی فاروقی از شرح قصیدہ بردہ از شیخ الحدیث جلال الدین سیوطی نقل کردہ کہ آتش دوزخ حرام است بر مومن کہ دست مبارکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستش رسیدہ ومصافحہ آں بوسائط باشد یا بلاواسطہ ماحیٔ ذنوب و باعثِ دخولِ جنت است۔ نظر بریں بعد مصافحہ اجازت آں بآں موصوف بخشیدم۔ خدائے تعالیٰ برکات آں عطا فرماید۔"

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مجھ سے مصافحہ کیا اور اس شخص سے مصافحہ کیا جس نے مجھ سے مصافحہ کیا دست بہ دست قیامت تک وہ شخص جنّت میں داخل ہوگا۔ شیخ جلال الدین سیوطی کے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے "الانتباہ" میں اور افضل العلماء ارتضاء علی خان نے شرح قصیدۂ بردہ میں لکھا ہے کہ آتشِ دوزخ مومن پر حرام ہے جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہو اور یہ مصافحہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔ اس کے گناہوں کے مٹ جانے اور جنّت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

حصولِ خلافت کی بابرکت روحانی مجلس کا منظر آج بھی میرے قلب وذہن پر مرتسم ہے۔
جب مجلس اختتام پذیر ہوئی تو حضرت ناظم مرحوم کے دفتر پہنچا تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

خلافت نامہ میں اعلیٰ حضرت کی جانب سے یہ وصیت ہے کہ نکتہ چینوں کی عیب چینی و ملامت گروں کی ملامت، حاسدوں کے حسد اور دشمنوں کی دشمنی کی جانب التفات اور توجہ کئے بغیر دعوت وتبلیغ کے کام میں ہمہ تن مصروف رہیں۔
لہٰذا تمہیں اسی اصول پر کاربند رہنا چاہیے۔

الحمدللہ! اعلیٰ حضرت کے خلفائے کرام کے ذریعہ مختلف دیار وامصار میں علمِ دین کی اشاعت اور دعوت وتبلیغ کا کام انجام پا رہا ہے۔ چراغ سے چراغ جل رہا ہے اور ہر سُو روشنی پھیل رہی ہے۔

کہنے کو ایک ذرّہ ناچیز ہیں مگر
تعمیرِ کائنات کے کام آرہے ہیں ہم

اعلیٰ حضرت علم دوست اور ادب نواز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی خدمت میں مختلف مکاتیبِ فکر کے علماء وفضلا، دینی درس گاہوں کے اساتذہ اور ملّی تنظیموں اور اداروں کے سربراہوں کی آمد کا سلسلہ قائم رہتا تھا۔ ریسرچ اور تحقیقی کام کرنے والے اشخاص کتب خانہ کی قدیم ونادر کتابوں اور قلمی مخطوطوں کے مطالعہ کی غرض سے آتے تو اُن کی ضرورتوں کی تکمیل اور تعاون کی ہدایت دارالعلوم کے ذمّہ داران کو دیتے اور ہر آنے والے کے ساتھ انتہائی محبّت والفت اور اکرام واعزاز سے پیش آتے تھے۔ گروہی عصبیت اور اختلافِ فکرونظر کی سطح سے بلند ہو کر کشادہ ذہنی، وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی سے کام لینا اور مثبت وتعمیری نقطۂ نظر کو اختیار کرنا صرف اعلیٰ حضرت ہی کا شیوہ اور عمل نہیں رہا بلکہ آپ کے خاندان کے بزرگوں کے مزاج اور کردار میں بھی یہ بات ودیعت تھی۔ آپ کے دادا محترم حضرت مولانا رکن الدّین سید شاہ محمد قادری کے عہد میں ندوۃ العلماء کی تحریک جنم لی تو انھوں نے اپنے صاحب زادے مولانا سید شاہ عبداللطیف قادریؒ جو اعلیٰ حضرت کے والد ہیں، کو اپنا قائم مقام

بنا کر ندوہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے مدراس بھیجا تھا۔

اعلیٰ حضرت کے برادر بزرگ جن دنوں سجادہ نشین تھے، عمرآباد میں جامعہ دارالسلام کا قیام عمل میں آیا۔ تو آپ بہ نفسِ نفیس عمرآباد پہنچے اور سنگِ بنیاد رکھا اور دُعا فرمائی۔ ایک مرتبہ جامعہ کو ایک لائق استاد کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے اپنے مدرسہ کے استاذ علّامہ شاکر نائطی کو عمرآباد روانہ کیا کہ آپ وہاں جاکر درس و تدریس کی خدمت انجام دیں۔ اور سچ وحقیقت تو یہ ہے کہ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے دوسرے موقف کے حامل اشخاص و افراد کے ساتھ عزت واحترام، اکرام و اعزاز، محبت والفت اور رواداری کے ساتھ پیش آنا اسی خانقاہ کی خصوصیت ہے۔ جس کی نظیر خال خال ہی مل سکتی ہے۔

راقم الحروف سے ایک بزرگ عالم فرمایا کرتے تھے:

عزیزم میں نے ہندوستان کی اکثر وبیشتر درس گاہوں اور خانقاہوں کی زیارت کی ہے لیکن شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پی سکتے ہیں، تو وہ صرف یہی ایک خانقاہ اور درس گاہ ہے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن علی ندوی جناب الحاج ٹی عبدالواحد صاحب سابق ممبرِ پارلیمنٹ و فاؤنڈر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کی دعوت پر ۱۹۷۰ء میں خطبات کے سلسلہ میں مدراس تشریف لائے تو اس موقعہ پر دارالعلوم لطیفیہ بھی پہنچے اور طلبا سے فکر انگیز خطاب فرمایا۔ جس میں کہا:

"مدّت سے میرے دل میں اس بات کی تمنّا تھی کہ اس مقدّس مقام کی زیارت کروں۔ خدا نے میری اس خواہش کو آج پورا کیا۔ میں یہاں عالم نہیں بلکہ ایک طالبِ علم کی حیثیت سے آیا ہوں۔ ان محترموں نے میرے ساتھ جو سلوک اور تکریم کی ہے۔ بہت شرمندہ ہوں۔"

ویلور سے واپس ہونے کے بعد مولانائے محترم نے سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے نام ایک مکتوب روانہ فرمایا: جو راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔ یہاں اس کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اعلیٰ حضرت کے اکابرین کی علم دوستی اور وسعت نظری کی ایک جھلک دیکھ لی جائے۔

"سلاسل اکابر و وارثِ مکارم و مفاخر زیدت عالیہ مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری، ناظم دارالعلوم لطیفیہ، ویلور : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ حضرات سے رخصت ہو کر ایک شب آمبور میں گزار کر اگلے دن بذریعہ ہوائی جہاز ۱۹ر اگست ۱۹۸۲ء کو دہلی پہنچا۔ آپ حضرات کی عزیزانہ و بزرگانہ عنایات کا نقش اب بھی قلب و دماغ پر مرتسم ہے۔ آنے کے بعد تقریباً ہر مجلس میں آپ حضرات اور آپ کے بزرگوں کا ذکر خیر رہا۔ میں ویلور کی حاضری کو حاصلِ سفر سمجھتا ہوں۔ مجھے اس وقت جو انشراح اور انبساط حاصل ہوا مجھے اس کا سبب معلوم نہ تھا۔ لیکن وہاں سے واپس آ کر میں نے آپ کے عنایت فرمائے ہوئے رسائل پر نظر ڈالی اور لکھنؤ پہنچ کر اپنے والدِ ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیٔ صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء کی مشہور عربی تصنیف "نزھۃ الخواطر" کی چھٹی اور ساتویں جلد دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری علیہ الرحمۃ اور حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری (قطبؒ ویلور) کے حالات دیکھے تو اس تعلق قلبی اور انجذاب باطنی کا سبب معلوم ہوا۔ پھر ندوۃ العلماء کے اجلاس مدراس سنہ ۱۹۰۴ء اور اجلاس مدراس سنہ ۱۹۱۷ء کی روداد میں دیکھیں تو مزید تصدیق ہوئی۔ کیوں کہ پہلے اجلاس میں مولانا سید رکن الدین صاحب نے جو اس وقت سجادہ نشین تھے ندوہ کی پوری نصرت وحمایت فرمائی۔

خود علالت کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے تو اپنے صاحب زادہ والاشان مولانا سید شاہ عبداللطیف قادری کو قائم مقام بنا کر بھیجا اور انھوں نے ایک جلسہ کی صدارت بھی فرمائی۔ دوسرے اجلاس سنہ ۱۹۱۷ء کے موقعہ پر مولانا سید شاہ عبداللطیف صاحب خود سجادہ نشین تھے اور ان دنوں سخت علیل تھے۔ انہوں نے اپنی تائید و خوشنودی کا خط ذمہ داران ندوۃ العلماء کو بھیجا اور ندوہ کے اغراض و مقاصد اور جلسہ کے ساتھ پوری دلچسپی وہمدردی کا اظہار فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ندوہ کی حمایت کرنا بھی مدراس میں وہابیت کے مرادف سمجھا جاتا تھا۔ میرے والد غالباً ویلور بھی تشریف لے گئے ہیں۔ اور انھوں نے بڑے بلند الفاظ کے ساتھ "نزھتہ الخواطر" میں حضرت سید شاہ عبداللطیف قطبؒ ویلور کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو "الامام" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

بھی گوناگوں تعلقات تھے جو میرے لیے کشش کا باعث ہوئے اور پورے دورہ میں کہیں میرا ایسا جی نہیں لگا جیسا حضرت مکان میں۔ خدا کرے دوبارہ حاضری نصیب ہو اور وہاں زیادہ وقت گزارنے کی سعادت حاصل ہو۔

میں نے سجّادہ نشین صاحب (اعلیٰ حضرت) کے عطا کئے ہوئے تمام رسائل ومطبوعات کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ کرا دیے۔ تاکہ سب فائدہ اٹھا سکیں۔ براہ کرم اپنے برادرِ معظم حضرت مولانا (سید) شاہ ابو النصر قطب الدین (صاحب) قادری کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں۔ اور ان کی عنایاتِ بزرگانہ کا تشکریہ ادا کریں۔ امید ہے کہ کبھی دعائے خیر میں یاد فرمائیں گے۔ والسلام

نیاز مند

ابو الحسن علی ندوی

اعلیٰ حضرت کی ساری زندگی صبر وتوکل کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ عام طور پر سجادہ نشین حضرات کے خیال ہی سے ذہنوں میں ان کی تصویر اس طرح ابھرتی ہے کہ وہ کوچہ وبازار اور کاروبار دنیا سے بے نیاز گوشہ نشینی اور عبادت گزاری کا مرقع ہیں۔ آپ کی زندگی اس تصوّرِ عام کے برعکس رہی۔ یہاں تو زندگی کی ایک عجیب اور نرالی شان تھی۔ جس میں عزم وارادہ، تدبیر وکوشش، حرکت وعمل، پامردی وثبات قدمی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ایک طرفہ حسنِ سلوک جلوے کے جلوے بکھرے نظر آتے ہیں۔ آپ بہ نفسِ نفیس کھیتوں اور باغات تشریف لے جاتے تھے اور ان سے متعلقہ تمام امور ومعاملات کی نگرانی فرماتے تھے۔ آپ کے جہدِ مسلسل کے باعث غلّہ کی وافر مقدار جمع ہو جاتی تھی جس سے دارالعلوم کے طلباء واساتذہ اور آپ کے دودمانِ عالی شان کے افراد اور مہمانوں وغیرہ کے لیے سال بھر کے لیے اناج بڑی برکت کے ساتھ جمع ہو جاتا تھا۔

آپ نے تعمیرات کا سلسلہ بھی وسیع پیمانہ پر شروع کیا۔ اور کئی ایک دکانیں اور مکانات بنوائے تاکہ اس کے ذریعہ مستقل آمدنی ہوتی رہے۔ والدِ ماجد کے انتقال کے وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد زراعت اور زمینیات کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور ان کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اپنے چھوٹے بھائی

حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلوائی ۔ راقم الحروف نے خانقاہ میں ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کے سامنے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو انگریزی اس لیے پڑھایا کہ وہ ہماری جائداد اور اس سے متعلق پیش آنے والے مسائل کو عمدگی کے ساتھ حل کر سکیں ۔

زندگی بھر جد و جہد کرتے ہوئے اپنے پیچھے ایک مضبوط اقتصادی قوت چھوڑی جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ کے بعد دارالعلوم اور خانقاہی امور و معاملات بحسن وخوبی انجام پاتے رہیں ۔ آپ کو ان امور اور معاملات میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن ہر منزل اور ہر مقام پہ ثابت قدمی، اولوالعزمی اور اخلاقی جرأت اور مخالفانہ سلوک پر بھی یک طرفہ حسنِ سلوک کا مظاہرہ فرمایا ۔

آپ نے اپنے برادرِ عزیز حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری کو منصب نظامت پر فائز کیا اور دارالعلوم کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور درس و تدریس کے لیے شمال وجنوب کے قابل اساتذہ کا تقرر فرمایا ۔ چناں چہ آپ کے دورِ سرپرستی میں درج ذیل حضرات منصبِ تدریس پر فائز رہے :

مولانا مولوی ابوالمعالی علوی صاحب مرحوم

مولانا مولوی حافظ سید محمد عابد صاحب مرحوم

مولانا مولوی حافظ محمد زکریا صاحب ادیب فاضل راجوٹی مرحوم
مصنف خانوادۂ اقطابِ ویلور

مولانا مولوی حافظ محمد سلیم احمد صاحب مرحوم (پورنیا ۔ بہار)

مولانا مولوی محمد حاتم اشرفی صاحب مبارکپوری مرحوم

مولانا مولوی عبدالعزیز رضوی اشرفی صاحب مبارک پوری مرحوم

مولانا مولوی عبدالواحد صاحب مرحوم جونپوری ۔ فاضل دیوبند

مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب مرحوم کچھوچھوی فاضل اشرفیہ مبارکپور ۔

مولانا مولوی اے ۔ ایم ۔ احمد کمال الدین مرحوم

مولانا مولوی پروفیسر محمد حسین باقوی مرحوم

مولانا مولوی ابو المکارم سید مصطفیٰ حسین بخاری، قادری لطیفی کڈپوی

مولانا مولوی شبیر احمد اکرمی لطیفی بھٹکلی

مولانا مولوی بشیر احمد صاحب عمری کٹانجوری

مولانا مولوی محمد نعیم اختر صاحب فاضل اشرفیہ مبارکپور

مولانا مولوی سید برہان الدین عنطری باقوی

مولانا مولوی کے۔ ایس صبغۃ اللہ صاحب لطیفی

مولانا مولوی سید الیاس پاشاہ لطیفی۔ سیلم

مولانا مولوی پی۔ کے۔ موسیٰ کٹی باقوی

مولانا مولوی محمد طیب الدین اشرفی صاحب مونگیری

مصنف "انوار اقطابِ ویلور"

موجودہ اساتذہ میں اس عاجز راقم السطور کے علاوہ درجِ ذیل افراد مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں:

مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ صاحب قادری، لطیفی، سر قاضی شمالی آرکاٹ ویلور

مولانا مولوی پی۔ محمد ابوبکر صاحب ملیباری۔ قادری، لطیفی

مولانا مولوی محمد رمضان القادری صاحب بہاری

مولانا مولوی کے۔ سی۔ محمد ابوبکر صاحب قاسمی

مولانا مولوی حافظ محمد عبد اللہ خان مجاہد صاحب لطیفی۔

مولانا مولوی حافظ محمد ہدایت اللہ صاحب لطیفی۔ کدری

مولانا مولوی شیخ محمد حسین صاحب لطیفی

مولانا حافظ عبد الرزاق صاحب ویلوری

آپ کا سفرہ عام تھا۔ جو بھی یہاں آتا وہ اس سے سیراب ہوتا تھا۔ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مہمان کی خدمت کرنا اور اس کو خوش رکھنا ہمارا اخلاقی فریضہ ہے۔ مہمان کو کھلانے سے ہماری آمدنی میں اضافہ اور برکت ہوتی ہے۔

آپ کی سیرت کا ممتاز اور قابلِ تقلید پہلو یہ ہے کہ آپ نے دولت و ثروت

کے باوجود فقیرانہ و درویشانہ زندگی گزار دی۔ رہنے سہنے کا مکان معمولی، لباس معمولی، غذا معمولی، سواری معمولی تھی۔ زندگی کے کسی پہلو اور کسی جہت سے بھی امیرانہ شان و شوکت اور اسراف و تبذیر کی معمولی سی جھلک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے: یہ سب ہمارے بزرگوں کی امانت ہے۔ ہم من مانی طور پر کبھی اپنی ذات اور اپنے نفس پر خرچ نہیں کر سکتے۔ ہمیں بزرگوں کو منہ دکھانا ہے۔

اس قادر سادگی کے باوجود چہرہ پر رعب و جلال اور وقار و تمکین کا یہ عالم تھا کہ کوئی آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ اور کسی کی جرأت نہیں ہو سکتی کہ آپ کی باتوں اور آپ کے فیصلوں کو رد کر دے۔ آپ کے اندر معاملات کی صفائی، صاف گوئی، ایفائے عہد کا مادہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ اپنی زبان سے کبھی کسی کی غیبت اور برائی بیان نہیں کی۔ مخالف کے ساتھ بھی اخلاق و مروّت سے پیش آتے تھے۔ ایک جہاں آپ کے اخلاق و عادات کا معترف تھا۔

۱۷ر نومبر کا دن ایک عظیم سانحہ کے طور پر ہمیشہ یاد رہے گا۔ جس دن آپ کی وفاتِ حسرت آیات سے حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری کی نرینہ اولاد کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مکمل ہو گئی اور اس عظیم خاندان کا آخری چشم و چراغ جس کی روشنی سے دار العلوم اور خانقاہ کی زندگی منوّر اور تاباں تھی دیکھتے ہی دیکھتے تاریخ کا حصہ بن گیا۔

ڈھونڈیں ہم اب نقوشِ سبک رفتگاں کہاں؟

اب گردِ کارواں بھی نہیں، کارواں کہاں؟

جامع مسجد پرورش گنج

ابو النعمان بشیر الحق قریشی غفر لہ ولوالدیہ

۱۲ر رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

اعلیٰ حضرت مرحوم

ڈاکٹر سید صفی اللہ: پروفیسر آف اردو: مدراس یونیورسٹی

اعلیٰ حضرت کی وفات کی خبر ایسی نہ تھی کہ کوئی سنے اور لڑکھڑائے بنا رہ جائے۔ اس خبر نے تو ہزاروں پر سکتہ طاری کر دیا تھا جس نے بھی سُنا اپنے ہوش وحواس کھو دئے۔ جس حالت میں تھا اسی حالت میں رہ گیا۔ جن کے مراسم قبلہ اعلیٰ حضرت مرحوم سے زیادہ قریبی تھے اس سانحہ کی خبر سے تڑپ ہی تو اٹھے تھے۔ میرا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ وہ سارے لمحات ایک ایک کرکے یاد آنے لگے، جو حضرت قبلہ کے ساتھ بیتے تھے۔

اعلیٰ حضرت سے میری پہلی ملاقات اب بھی ذہن میں یوں تازہ ہے جیسے کل ہی کی بات ہو۔

یہ ۲۹ر اگست ۱۹۶۷ء کی بات تھی۔ اس صبح گورنمنٹ آرٹس کالج، ویلور میں ڈیوٹی جوائن کرنے کے لیے برنداون ایکسپرس سے شہر ویلور جا رہا تھا۔ ساتھ برادر مکرم افضل العلماء پروفیسر سید عظمت اللہ سرمدی بھی تھے۔ ٹرین میں مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری راکوٹی بھی ہم سفر تھے جو ان دنوں مدرسہ باقیات صالحات کے ناظر تھے۔ گفتگو میں پتہ ہی نہ چلا کہ ڈیڑھ گھنٹہ کا یہ سفر کیسے کٹا۔ کاٹپاڑی ریلوے اسٹیشن پر ہم سب اُترے اور ٹیکسی کرکے ویلور چلے آئے۔ جو یہاں سے چار کلو میٹر کا راستہ تھا۔ کالج جانے سے پہلے ہمیں حضرت مکان جانا تھا جہاں مدرسہ لطیفیہ میں بھائی صاحب میرے قیام کا انتظام کرنا چاہتے تھے۔ ایک زمانہ سے میرے اندر عربی مدارس دیکھنے کا شوق موجزن تھا۔ جسے صرف دیکھنے کا اتنا شوق ہو اسے قیام میسّر

آجائے تو اور کیا چاہیے ۔ اس تجویز سے گویا میری دیرینہ مراد برآئی تھی۔ چناں چہ جب مدرسہ کے پُر وقار پھاٹک میں داخل ہو رہا تھا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ہم سیدھے دفتر کی طرف چلے جہاں پہلے سجادہ نشین خانقاہ اعلیٰ حضرت کا حجرہ ملتا تھا۔ اور اس سے متصل ناظم مدرسہ حضرت پیر صاحب کا کمرہ جو آپ کا دفتر بھی تھا۔ اعلیٰ حضرت اپنے دفتر میں موجود تھے ہم نے سلام کیا، حجرہ میں داخل ہوئے اور مصافحہ کے بعد دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ بھائی صاحب نے میرا تعارف کرایا اور تفصیل بتائی۔ کچھ دیر گفتگو رہی پھر اجازت لے کر حضرت پیر صاحب کے دفتر میں گئے۔ وہاں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد مہمان خانے میں پہنچ گئے۔ جو اسی عمارت کے اوپری منزل میں تھا۔

میں ہاتھ منہ دھو کر تیار ہو ہی رہا تھا کہ ناشتہ آگیا۔ ناشتہ کے بعد ہم نیچے آئے ملاقات کی اور اجازت لے کر کالج کے لیے چل پڑے۔ دوسرے دن مسجد کے عقب میں متصل مکان میں میرے لیے ایک کمرہ میرے لیے خالی کرا دیا گیا۔ یہ حصہ جو مدرسہ کے احاطہ میں تھا۔ ایک مکان کی شکل میں تھا اور ایک دالان اور دو کمروں پر مشتمل تھا۔ آنگن مسجد سے بالکل متصل تھا اس کے اور مسجد کے منبر کے درمیان صرف ایک دیوار تھی۔ جنوبی کنارے والے کمرے میں میرا قیام تھا اور شمالی کنارے کے کمرے میں مولوی شبّیر احمد اکرمی کا کمرہ تھا۔ جو اس مدرسہ میں مدرس تھے۔

ابتدا میں مجھے تنہائی اور اجنبیت کا کچھ احساس رہا لیکن بہت جلد یہ احساس ختم ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے دالان بہت سارے اساتذہ کی دل چسپیوں کا مرکز بن گیا اساتذہ میں مولوی انوار اللہ صاحب (جو ویلور کے سرقاضی بھی ہیں) مولوی سید مصطفےٰ حسین بخاری اور مولوی بشیر احمد کنانجوری بھی آجاتے عشاء کے بعد دیر تک محفل جمی رہتی دینی، علمی، سیاسی طرح طرح کے موضوعات زیر بحث آتے۔

میرا قیام تو عربی مدرسہ میں تھا لیکن میں ٹھہرا کالج کا پروفیسر۔ ہر صبح ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹک ٹائی اور بوٹ کے ساتھ اپنے کمرے سے نکلتا اور مسجد کے صحن کے کنارے کنارے چلتے ہوئے حضرت تربیؒ ویلوری کے مقبرے کا چکر کاٹ کر پھاٹک پر پہنچتا اور مدرسہ کے احاطہ سے نکل جاتا۔ اور شام مغرب سے کچھ پہلے یا مغرب کے بعد کالج سے لوٹتا۔ دونوں وقت

مقبرہ کے شمالی اور مغربی چبوتروں پر حفظ کے طلبا قرآن کے دورے کرتے رہتے۔ جب میں اُن کے آگے سے چکر کاٹ کر نکلتا تو تھوڑی دیر کے لیے ان سب کی نگاہیں مجھ پر جمی رہ جاتیں۔ دراصل میرا رہنا سہنا اور لباس کی قطع اس مدرسہ کے ماحول کے عین خلاف تھی۔ اس حالت میں اس خالص اسلامی فضا سے جب بھی میرا گزر ہوتا تو خود مجھے لگتا کہ کوئی ابلیس ہر صبح مسجد کے بغلی دروازے سے نکل کر صحن کے کنارے کنارے چلتے ہوئے مقبرہ تک آتا ہے اور اس کا چکر کاٹ کر پھاٹک سے نکل جاتا ہے اور شام گئے اسی راستے سے واپس ہو کر مسجد کے عقب میں پناہ لے لیتا ہے۔ یہ احساس بعض اوقات خود مجھے اپنی نگاہوں میں گرا دیتا تھا۔ کبھی کبھی تو میں خود پر لعنت بھیج اٹھتا تھا۔ یہ بات آخر تک میرے اندر ایک طرح کی کشمکش کا باعث بنی رہی۔ ایک بار تو میں نے باہر ماہانہ کرایہ پر کمرہ بھی لے لیا۔ مہینہ تک کرایہ بھرتا رہا۔ لیکن اعلیٰ حضرت سے کہنے کی ہمت نہ ہوئی کہ باہر کمرے میں منتقل ہونا چاہتا ہوں۔ کہتا بھی کیسے؟ کبھی آپ نے کچھ کہا تھا؟ کبھی ٹوکا تھا؟ جو مجھ میں یہ جرأت ہوتی؟ آپ خود کئی بار مجھے یوں آتا جاتا دیکھ چکے تھے۔ جب کبھی سامنا ہو جاتا تو مصافحہ بھی کر لیتا تھا۔ لیکن کبھی جبینِ مبارک پر شکن نہ دیکھی! وہی مسکراہٹ وہی شفقت بھری ملاقات، مصافحہ میں وہی گرمی! تحمل اور وسیع الخیالی کی ایسی مثال زندگی میں کہیں اور نظر نہ آئی۔

ان دنوں میں نماز کا پابند بھی نہ تھا۔ کبھی عصر سے پہلے کالج سے لوٹ آنا ہو جاتا تو تھکن کی وجہ سے چارپائی پر دراز ہو جاتا۔ عصر کی اذان ہوتی، پھر جماعت ہوتی، لیکن کاہلی کی مار میں آ کر یوں ہی پڑا رہتا۔ یہاں تک کہ نماز ختم بھی ہو جاتی۔ پھر اچانک کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دیتی گردن موڑ کر دیکھتا تو اعلیٰ حضرت کمرے کی دہلیز کے پاس نظر آتے میں ہڑبڑا کر اٹھتا اور آگے بڑھ کر مصافحہ کرتا۔ وہی شفقت وہی محبت اور وہی مسکراتا چہرہ! فرماتے "آج شام کھانا ہمارے ساتھ کھا لینا"۔ "بہت اچھا"۔ میرا جواب ہوتا۔ پھر مصافحہ ہوتا اور آپ واپس چل کھڑے ہوتے۔ اور میں شرمندگی میں ڈوبا ساکت و جامد کھڑا رہ جاتا۔ نہ یہ پوچھنے کا ہوش کہ کس سلسلہ میں کھانے کی دعوت ہے اور نہ کسی قسم کے بہانے کی جرأت۔ اس طرح ایک درنہیں درجنوں بار ہو چکا تھا۔ اور جب بھی آتے

یوں لگتا تھا کہ آپ کو کمرے میں میرے ہونے کا یقین ہو۔ یہ کتنی بُری بات تھی کہ پاس ہی نماز ہو رہی ہو اور میں پیر پسار سے اپنے کمرے میں پڑا ہوا ہوں اور یہ کتنی بڑی بات تھی کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود آپ کی پیشانی پر ہلکی سی شکن تک نہ آئی تھی۔ دنیا کتنے لوگ ہیں ہیں جن کے لیے میرا یہ رویّہ ناقابلِ برداشت ہی نہیں چراغ پا کرنے کے لیے کافی تھا۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے پاس ایسی کوئی بات نہیں دیکھی کہ میرا یہ رویّہ ان کو بُرا لگا ہو حالاں کہ یقیناً انھیں یہ بات پسند نہ آئی ہوگی۔ اعلیٰ حضرت کے اس اندازِ بے نیازی نے مجھ پر وہ اثر کیا جو ایک ناصح کی وعید بھی نہ کر سکتی تھی۔

کھانے کے دوران بھی وہی شفقت۔ بہ اصرار کھلاتے اور کھانا لینے کا حکم ہوتا۔ حکم عدولی کی کس میں ہمّت! مزے کی بات یہ کہ اس سے پہلے آپ کے منجھلے بھائی حضرت میراں پاشاہ مرحوم کے اصرار پر لیا جا چکا ہوتا اور اس سے بھی پہلے حضرت پیر صاحب کا اصرار ہو چکا ہوتا۔ ہم چوں کہ اس "پیہم اصرار" کے راز سے واقف تھے اس لیے کھانا ختم کرنے سے پہلے پیٹ میں ان تین اصراروں کی گنجائش رکھ چھوڑتے۔!

میرا قیام مدرسہ میں پورے تین سال رہا۔ ان تینوں برسوں میں، میں جیسا پہلے دن تھا، آخر دن تک ویسا ہی رہا۔ اس کے باوجود نہ کسی نے مجھے ٹوکا اور نہ کبھی قبلہ اعلیٰ حضرت یا کسی اور بزرگ کے چہرے پر ناراضامندی یا بیزاری کا اظہار دیکھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور جگہ میں اس طرح کے ماحول میں پورے سکون کے ساتھ اور بغیر کسی روک ٹوک کے تین سال گزار پاتا۔ جب میں تبادلہ لے کر مدراس واپس آنے لگا تو آپ کو اور مرحوم حضرت پیر صاحب کو دکھ ہی ہوا۔ دونوں نے پوچھا۔ مدراس کیوں جا رہے ہیں۔ کوئی تکلیف ہے آپ کو یہاں؟ میں نے بتایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو پھر فرمایا: تو پھر کوشش کر کے تبادلہ کے حکم نامہ کو منسوخ کرا دیجیے۔!

حضرت مکان کی اعلیٰ ظرفی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا چاہیے!!

سچ تو یہ ہے کہ یہ تین سالہ قیام میری زندگی کا سنہری دور تھا۔ یہاں مجھے جو علمی ماحول ملا، نیک صحبت ملی، سکونِ قلب ملا اور سب سے بڑھ کر حضرت مکان کے بزرگوں کی صحبت نصیب ہوئی وہ میری زندگی کا حاصل رہے گا!

کیسی بزرگ ہستیاں تھیں۔ رواداری اور پاس داری میں نواں کا جواب نہیں تھا۔ اکثر میں نے دیکھا کہ لوگ آتے اور دیر تک، دوسروں کی شکایت کرتے رہتے لیکن کبھی آپ کی زبان سے ان شکایتوں کی حمایت میں کوئی لفظ نہیں نکلتا تھا۔ کہنے والے کو ٹوکتے بھی نہ تھے۔ بڑے سکون اور صبر کے ساتھ سب کچھ سنتے رہتے۔ صاف لگتا تھا کہ آپ کو یہ گفتگو ناپسند ہے لیکن کہنے والے کو روکنا بھی پسند نہ تھا کہ کہیں اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ جبھی تو حضرت مکان کے بزرگوں کی اس قدر ہر دلعزیزی تھی۔ آپ کے قدردان کہاں کہاں نہیں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ کے ہزاروں معتقدین لیکن آپ کسی ایک پیسے کے روادار نہ تھے اور معتقدین کا یہ حال کہ آپ کے ہاں ہاتھ دھونا اپنے لیے وسیلۂ نجات سمجھتے تھے۔ یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ کھانے کے وقت ویلو رجائیں اور باہر سے کھا کے آپ کے ہاں پہنچیں۔ ایسے موقعوں پہ بڑی سخت بازپرس ہوتی تھی۔ اسی طرح کھائے بغیر آپ کے ہاں سے نکل جانا بھی ذرا ممکن تھا۔ آپ کے ہاں مہمان کوئی بھی ہو "مہمان" ہی ہوتا تھا۔ غریب آپ کا مہمان بن کر امیر ہو جاتا تھا اور امیر آپ کی خدمت میں پہنچ کر خادم بن جاتا تھا۔ صحیح معنوں میں پیری مریدی کیا ہوتی ہے اور کیا ہونی چاہیے یہ میں نے حضرت مکان میں دیکھا۔ حضرت مکان بیسویں صدی میں بھی بارہویں صدی کی مثال پیش کر رہا تھا۔ اس انفرادیت کے دیے کو اعلیٰ حضرت نے آخر دم تک روشن رکھا۔ خدا کرے آپ کی برکات سے حضرت مکان کی وہ ساری خوبیاں تاقیامت برقرار رہیں۔

آپ کی وفات سے ہزاروں دلوں کی روشنی بجھ گئی۔ ہزاروں کے چہروں کی رونق چھن گئی۔ کیا گردشِ دوراں آپ کی جگہ پُر کر سکے گی ؟!

بزرگانِ حضرت مکان کی شانِ بے نیازی و فیوضِ روحانی

حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے انتہا نوازشات فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ سے انسان کو انسانِ کامل بنایا۔ اور اُسے بے شمار نعمتوں سے سرفراز ا۔ اس کی ہدایت و رہبری کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبروں کو مبعوث فرماتا رہا اور آخر میں پیغمبر آخر الزماں کو رحمۃٌ للعالمین بنا کر دنیا میں جلوہ افروز فرمایا۔ اور آپ کی برگزیدہ امّت میں برگزیدہ ہستیوں کو مرتبۂ ولایت سے سرفراز کیا۔ علمِ ظاہر کے ساتھ علمِ باطن عطا فرمایا۔ اسی نعمتِ عظمیٰ پر دلی تاثرات کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کی گئی ہے۔

تاریخ دہرائی جاتی ہے اور اسی مقدّس تاریخ کی برگزیدہ ہستیوں کے واقعات قلم بند کیے جاتے ہیں۔ تاکہ یہ گہر ہائے صدف زمانہ کے حوادث کا شکار نہ بن جائیں۔ صاحبِ جواہر السلوک اپنی تصنیف لطیف میں ایک مقام پر رقم طراز ہیں کہ صاحبِ کمال اور ولیٔ معظّم کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی جنگل پہاڑ پر جا بیٹھے اور اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ یہ طریقہ سنّتِ مطہرہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم برابر مسجد میں امامت فرماتے تھے، لوگوں میں رہ کر دین کی تبلیغ کرتے اور عبادت و ریاضت میں بھی سب سے زیادہ کرتے۔ حقیقت میں یہی راہِ طریقت ہے۔

> حضرت مولانا صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ نے اپنے خانوادے کے بعض بزرگوں کے احوال اور روحانی فیوضات سے متعلق ایک مضمون اللطیف سنہ ۱۳۸۶ھ تا سنہ ۱۳۸۸ھ میں شائع فرمایا تھا۔ قارئینِ کرام کی معلومات کے خیال سے اس خاص نمبر میں شامل کیا گیا ہے۔
>
> ابو النعمان غفرلہ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے مقرّب بندوں کے ذریعہ اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ پیشِ نظر مضمون میں چند واقعات ایسے ہیں جن سے اللہ کے مقرب بندوں کے علم باطن اور کشفِ کامل کا مظاہرہ ہورہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان قدرتِ الٰہی کے جلوہٗ مشاہدہ کرنے کی بصیرت پیدا کرے۔

گلشنِ مصطفویؐ کے خوشہ چین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربؔی رحمۃ اللہ علیہ جن کی زندگی اپنے جد سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ کے مطابق رہی اور تا زیست اسی پر ثابت قدم رہے۔ آپ کے زرّین دور میں علم کو بے انتہا تقویت پہنچی جہالت کی تاریکی کو مٹا کر علم کی روشنی پھیلائے اور اس ملک کرناٹک میں الحاد و زندیقہ کی جڑ اکھیڑ کر خالص توحید کو پھیلایا اور شرک و بدعت کی بیخ کنی کر کے سنّتِ مطہرہ کو جاری فرمایا۔

حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ ’لطائفِ ذوقی‘ میں اپنے پدر بزرگوار کے حالات میں لکھتے ہیں کہ حضرت کا وجودِ مسعود اگر اس ملک میں نہ ہوتا تو یہاں کے اکثر لوگ بدعت و الحاد میں مبتلا ہوجاتے۔ حضرت کی ذاتِ بابرکات سے علم اس قدر پھیلا کہ جنوب کے گوشہ گوشہ میں آپ کے فیض یافتہ شاگرد بکھر گئے۔

آپ کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نواب والاجاہ نے آپ کی خدمت میں سالانہ بارہ ہزار روپیوں کی آمدنی کا جب پروانہ نذر پیش کیا تو آپ نے اسکو نذرِ شمع کردیا۔ آپ کے فرزند عزیز سید شاہ عبداللطیف قادری عرف حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ علم کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ اور شرک و بدعت کا سختی سے قلع قمع کیا اور کثیر تعداد تعداد تصانیف آپ کے نوکِ قلم سے وجود میں آئیں۔ آپ کی خالص لوجہ اللہ کوشش سے سینکڑوں ہزاروں لوگ گمراہی سے بچ گئے۔

انھیں صاحب دل روشن ضمیر بزرگوں کے علم باطن کے متعلق یوں روایت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی دوسو سال پہلے حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربؔی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحب زادے بیک وقت ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت سرکارِ غوث پاک رضی اللہ عنہٗ صحنِ مسجد مکانِ حضرت قطب ویلور میں تشریف فرما ہیں حضرت شاہ محی الدین ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ سرکارِ غوث پاک رضی اللہ عنہٗ کی خدمت میں قطبیت کے درجے کے طلب گار ہوئے۔ تو آپ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو صبح کی اذاں ہورہی تھی۔ آپکے والدِ بزرگوار مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ رات کا خواب بیان کرتے جوں ہی آپ آگے بڑھے تو والدِ بزرگوار

کہ جب قطبیت کے درجے سے بڑھ کر دو درجے حاصل تھے تو تمہیں اس سے بڑھ کر طلب کرنا چاہیے تھا جو بشارت فرزند کو ہوئی والدِ بزرگوار بھی مشاہدہ فرما رہے تھے

خاندانِ والاشان میں تقریباً ڈیڑھ سو برس بعد جب کہ مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا ایک شب آپ اور آپ کے فرزند حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری مشہور بہ مکّی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کا حال باطن میں مشاہدہ فرما رہے تھے کہ ایک شخص جو معمر اور نحیف تھا مکانِ حضرت قطب ویلور کے روبرو قلعۂ ویلور اور خندق کے بازو ایک بڑے سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا رہتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری رحمۃ اللہ کے نام کو اپنا وظیفہ بنا رکھا تھا۔ ہر وقت یہی کہا کرتا تھا کہ یا میرے پیر قربیؔ، یا میرے پیر قربی۔ جس شب اس کا انتقال ہوا، اس شب حضرت موصوف اور آپ کے فرزندِ عزیز نے بیک وقت خواب میں دیکھا کہ درگاہ شریف کا دروازہ کھلا اور حضرت قربیؔ باہر آئے اور اس کو اندر لے گئے اور دروازہ بند ہوگیا۔ جب یہ دونوں خواب سے بیدار ہوئے تو مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی۔ آپ نے فوراً ملازم کو اس کا حال دریافت کرنے بھیجا تو معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی سے کون واقف نہیں۔ یہ وہ شان دار زمانہ تھا کہ اشاعتِ علم کے ساتھ ساتھ دین کی تبلیغ بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی، اللہ و رسولؐ کے سچے عاشق حج بیت اللہ کے بعد جب روضۂ اقدس پر حاضری دینے تشریف لے گئے اور آپ نے سلام پیش کیا تو سینکڑوں لوگوں کے سامنے وعلیکم السلام کا جواب آیا۔ آپ دستِ حق پرست پر عرب و عجم میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ بیعت سے مشرف ہوئے۔

آپ کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ سنہ ۱۲۸۹ھ میں جب آپ کا وصال مدینے میں ہوا اور آپ کے صاحب زادے بھی اس وقت وہیں تھے تو ایک روز ایک مسافر حضرت کے مکان آیا اور مسجد میں قیام کیا۔ اس نے اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کیا اور بھوکا رہ گیا۔ حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ اس شب خادمہ کے خواب میں غصہ سے فرمانے لگے کہ مسجد میں وہ مسافر بھوکا رہ گیا اور کسی نے اس کی خبر نہ لی۔ اس نے عرض کی، کہ حضرت وہ کون ہے؟ فرمایا کہ فلاں سید قندھاری

خادمہ نے کہا: کھانا تو حاضر ہے مگر سالن نہیں۔ فرمایا کہ چٹنی ہی سہی۔ خادمہ خواب سے جلد بیدار ہوکر کھانا سالن تیار کرکے صبح کی اذان کے بعد خوان اس قندھاری کے سامنے پیش کیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ اس نے صورتِ واقعہ بیان کیا اور مسافر نے کہا کہ اس کی تصدیق تو کرلی جاتی۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ آپ تو موجود ہیں کہ نہیں۔

حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور واقعات ' انوارِ اقطابِ ویلور' میں تفصیل سے آچکے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا حیران کن واقعہ ہے جو پہلی بار منظر عام پہ آرہا ہے۔ مارچ 1951ء کا زمانہ تھا۔ ایک روز صبح کے دس بجے مجھے کسی ضرورت کے تحت آفس سے حضرت کے حجرے میں گیا۔ دیکھا کہ آپ جھولے سے دروازے کو چوکھٹ تک جلد جلد ٹہل رہے ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جونہی میں اندر داخل ہوا تو مجھے دیکھ کر مسند پر جا بیٹھے اور آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: حضرت پیر! آج سے تین دن قبل میں نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ فرمارہے ہیں کہ بیوی ماں کی دوا سے اثر اٹھالیا گیا ہے۔ اور اُن کا وقت قریب ہے۔ ان کے لیے میرا دل رو رہا ہے۔ حضرت قبلہ سے چھوٹی بہن جن کو بیوی ماں پکارتے تھے، جو چند دنوں سے علیل تھیں، وہ حضرت مولانا ابوصالح سید شاہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار عرس ورنگل کی زوجہ تھیں۔

صبح کے ساڑھے دس بج چکے تھے۔ میں نے کہا کہ بہت دیر ہوچکی ہے آپ گھر جاکر ناشتہ کرلیں۔ لہذا آپ گھر تشریف لے گئے اور میں آفس کو آگیا۔ تھوڑی دیر بعد نہ گزری تھی کہ کسی خاص ضرورت کی تحت مجھے پھر گھر جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلہ کرسی پر بیٹھے ہیں اور بہن پلنگ پر ہیں۔ دونوں بھائی بہن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ حضرت قبلہ کو اُن کی موت کا یقین تھا۔ اس لیے کہ ان کی موت کی بشارت ہوچکی تھی اور بہن کو یقین ہوچکا تھا کہ بیماری کی وجہ سے ان کی موت قریب ہے۔

یہ ایک ایسا ٹریجک منظر تھا جس کی وجہ سے خود بخود میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ موت کی بشارت اور بہن کی خطرناک علالت سے میں پہلے ہی سے واقف تھا۔ لہذا اس دردانگیز منظر سے میں مستثنیٰ نہیں رہ سکا۔

چناں چہ حسب بشارت عالیہ ایک ہفتہ کے اندر انتقالِ پرملال ہوگیا۔

ایک اور واقعہ جو پہلی بار منظرِ عام پہ آ رہا ہے۔ وہ سنہ 1956ء کا ہے۔ دادا میاں صاحب ساکن مینمبور والد حسن بابا صاحب انسپکٹر آف پولیس نے حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ سے جو اس وقت سجادہ نشین مکانِ حضرت قطب ویلور تھے ۔ بیعت سے شرف یاب ہونے کی درخواست پیش کی۔ وہ ذیابیطس کے مریض تھے۔ پیشاب کثرت سے ہوا کرتا تھا اور ہر دس پندرہ منٹ پر ان کو پیشاب کی حاجت ہوتی تھی۔ جب بیعت کی اجازت حاصل ہوئی تو غسل کرکے پاک صاف کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اس وقت شام کے چار بجے تھے۔ سب لوگ حجرے میں جمع تھے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ وہ ایک عجیب کیف آور منظر تھا۔ اور جب اُن کے حق میں دعا کی جارہی تھی سب حاضرینِ مجلس بیک وقت آمین کہہ رہے تھے۔ دعا بڑی ہی مؤثر تھی۔

اس موقعہ پہ خاص بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ صاحبِ موصوف کی آمد سے لے کر بیعت سے فارغ ہوکر واپس جانے تک شاید درمیان میں کامل ایک گھنٹہ کا عرصہ گزرا ہوگا۔ لیکن اس اثناء میں اُن کو پیشاب کی بالکل ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ جس کا مشاہدہ تمام حاضرینِ مجلس نے کیا۔

ان کے بعض احباب کا کہنا ہے کہ انتقال سے ایک مہینہ قبل بیماری کی وجہ سے ان کی زبان بند ہوگئی۔ رشتہ داروں کو تعجب ہوا کہ ان کو کلمہ کیسے نصیب ہوگا۔ خدا کی شان دیکھیے کہ انتقال سے آدھ گھنٹہ پہلے زبان جاری ہوگئی۔ کلمۂ طیبہ کا ورد کرنے لگے۔ سب دوست احباب، جو اُن کے قریب جمع تھے اللہ اللہ کہتے ہوئے سُن رہے تھے۔ اور بعد ازاں کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی تاثیر و فضیلت ہے کہ جس نے موت کے وقت ان کی دستگیری و مشکل کشائی کی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ کی عظمت و بزرگی کا یہ حال ہے کہ ڈوبنے والوں کو آنِ واحد میں پار لگا دیتے ہیں۔

قدرت کے کرشمے عجیب ہوتے ہیں باطن کا حال اپنے مخصوص بندوں کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ ان کی وفات انتالیسویں دن بعد شب میں حضرت پیر و مرشد قبلہ جب کہ آپ سفید و شفاف لباس زیب تن کیے ہوئے اپنی خانقاہ حضرت مکان ویلور میں تشریف فرما تھے بحالتِ بشارت اور کشف ان کو دیکھا۔ بعد سلام و جواب کے حسب عادت حضرت پیر و مرشد نے خیریت دریافت

کی۔ کہنے لگے سلسلۂ قادریہ میں داخل ہونے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہوں کو بخش دیا سکرات کے وقت آپ تشریف لائے تھے اور شیطانِ ملعون کو مجھ سے دُور کیا اور کلمہ کی تلقین کی۔ خدائے قدوس نے اپنی رحمت سے مجھے کلمہ نصیب فرمایا۔

اس موقعہ پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں کے سجادہ نشین کو جو بھی بشارت ہوتی ہے وہ بالکل صحیح ہوتی ہے۔ اس کے متعلق متعدد واقعات ہیں جو بشارت کے مطابق ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔

اس بشارت کی اطلاع کسی طرح ان کے فرزندِ عزیز جناب حسن پاپا صاحب تک پہنچ گئی جو اب شہر مدراس میں اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس واقعہ کے چند دن بعد جب کسی موقعہ پر وہ ویلور آئے تو اس بشارت کے متعلق راقم الحروف سے دریافت کیا۔ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس واقعہ کی حقیقت کو جاننے کی انھیں بہت زیادہ خواہش اور اضطرابی تھی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ حجرے میں ملاقات کے وقت آپ اس واقعہ سے متعلق اعلیٰ حضرت قبلہ سے دریافت فرمائیں۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے بعد جب شرفِ ملاقات حاصل ہوئی تو دورانِ گفتگو میں نے اس کا ذکر کیا۔

حضرت قبلہ نے اس واقعہ کی تصدیق فرمائی۔ پھر آپ نے عزیز موصوف سے مذکورہ بالا واقعہ از ابتدا تا انتہا بیان فرمایا۔ اُن مؤثر کلمات سے متاثر ہو کر حسن پاپا صاحب نے پوچھا کہ حضرت آپ سکرات کے موقعہ پر وہاں گئے تھے؟ حضرت قبلہ نے جواب میں کہا کہ میں نہیں وہ حضرت محبوب سبحانی تھے جو اُن کے پیر و مرشد کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ یہ حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہٗ کی چشم دید کرامت اور تصرّف ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی ہر جگہ دستگیری فرمایا کرتے ہیں۔

نعتیہ شعر

دست بستہ صف بہ صف ہیں انبیاء سب مقتدی
اور ہوتی ہے امامت سرورِ کونینؐ کی

دولتِ ایماں ملی ہے آپؐ کا ہے یہ کرم
کتنی بخت آور ہے اُمّت سرورِ کونینؐ کی

زندگی قربان اس پر اس کا دل کعبہ سعید
جن کے دل میں ہے محبّت سرورِ کونینؐ کی!

مرثیہ

بروفاتِ حسرت آیات

زبدۂ سالکاں، سرورِ سجادگاں، وارث و پرتوئے قطبِ ساں طلا کار حضرت مکانِ جنّت نشاں، آخری سجادۂ لطیفی خانداں، رہبرِ کاملِ مریداں و معتقداں، پاسبانِ شریعت، واقفِ اسرارِ طریقت و حقیقت مرشدنا و سیّدنا مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سیّد شاہ محمّد باقر قادری قدّس اللہ سرّہ العزیز

تاریخِ وفات: ۷ جمادی الثانی سنہ ۱۴۱۵ھ مطابق 12 ار نومبر سنہ 1994ء - بروز شنبہ

نذرِ عقیدت: غلامِ غلامانِ مکانِ قطبِ ویلور شیخ شاہ عبدالرحیم کامی قادری ویلوری

ہم نوا اے کاتبِ تاریخِ دورانِ رواں !
دور اندر دور اک رکھتا ہے یہ حضرت مکان

آج لکھنا ہے تجھے پھر اک الم کی داستاں
ختمِ دورِ باقری کا ایک عالم نوحہ خواں

کون تھے باقر بھلا تو نے ہے کیا جانا کبھی؟
یہ نبیؐ کے کون ہوتے تھے بھلا مانا کبھی ؟

کیا کرے تیری زباں اہلِ حقیقت کا بیاں؟
غوث تھے، ابدال تھے، اقطاب بھی تھے بے گماں

خانقاہیں ہیں کئی لیکن مثال اس کی کہاں؟
ایک کامل نے کہا "ہیں سرورِ سجادگاں"

آٹھ پشتیں دو سو اُناسی برس کا دور تھا
فخری و ذوقی اور محوی جیسا کیا ہی شور تھا

تھے وہ شاہانِ طریقت صاحبِ جود و سخا
پر فقیرانہ طبیعت اور کامل اصفیا

رفعت و شانِ طریقت راز پوشیدہ دقیق
مسندِ اقطاب کا یہ ہوتا آیا ہے طریق

ان کا ہر اک دَور بھی دورِ گہر باری رہا!
اُن کے تصنیفات کا چرچا سدا جاری رہا

یہ ہدایت کے فضائل کے دلائل بن گئے
اور فقہا کے لیے حلِّ مسائل بن گئے

اک "چراغِ ہند" تھے اور یہ خضرؑ کا قول تھا
اصفیاء، ابدال کا اوتاد کا ماحول تھا

اسوۂ حسنہ سے کئے مغرور کو نادم کیا
اور فرنگی حکمرانِ دَور کو خادم کیا

ملکۂ برطانیہ کو دعوتِ اسلام دی
اور اس میں عقلی و نقلی دلیلِ تام دی

قرض جب پورا کئے سوئے مدینہ چل دئے
جدِّ اعلیٰ سے ملے، جنّتِ بقیع مسکن کئے

شہ محمّد رکن دین، تھے ان کے فرزند نامدار
خانقاہ و مدرسہ کو دے دی شکلِ یادگار

اس طرح جب کر دیا تھا فرض اپنا بھی تمام
ان کے فرزند محترم نے راہ لی بیت الحرام

جنّتہ الماویٰ مبارک آخری مسکن ہوا
پائنتی بی بی خدیجہؓ کے بلند مدفن ہوا!

جانشین بن کر بجائے والدِ ذوالمحترم
آئے ملبوسِ خلافت فارغ بیت حرم

بوالفتح سلطان محی الدّین کا دَورِ حسیں
عبد قادر نام تھا پنہاں رہے گوشہ نشیں

مرتبہ اُن کا تھا کیا؟ جانے یہ رب العالمین!
ہر جہت سے وارثِ اجداد تھے وہ بالیقین

سال تیرہ سو اٹھہتر میں وصال ان کا ہوا
اور اسی وقت اک جلالی دَور کا آغاز ہوا!

بوالنّصر کنیت تھی ان کی اور لقب تھا قطبِ دین
نام باقر، سلسلے کے نویں سجادہ نشین

کیا مبارک ہے عددِ "نو" سلسلہ پر تھا مُہر
مصلحت اللہ ہی جانے راز ہے یہ سربسر

مسندِ ارشاد سے کی حکمرانی پُر جلال
گوشہ گوشہ سے اُجاگر ہو گیا ان کا کمال

باغ ہوں یا کھیت ہوں بازار ہو یا خانقاہ
منبر و محراب ہو یا مقبرہ یا درس گاہ

ہو زراعت یا مرمت یا کمالاتِ شجاع
مطبخ و پکوان ہو سودا، تجارت یا نزاع

ذرّہ ذرّہ سے عیاں تھا اک کمالِ باقری
گوشہ گوشہ سے چھلک اُٹھی یہی جلوہ گری

خود شجاعت میں یہ ذوقی کے علم بردار تھے
ہم عصر صالح جوانانِ بلند کردار تھے

تھے نشانہ باز ماہر اور تیراک و سوار
کون سا فن تھا نہ تھے جس میں وہ مولا اور یار

چاندنی میں کھیتوں کی آب یاری پر رہے
اور گاہے خود فصل کی پہرہ داری پر رہے

خادماں آرام پر یہ گام زن تھے کام پر
خود ہی جاتے ہاٹ کو انعام لینا ہو اگر

دانہ دانہ پیسہ پیسہ کا کیا کرتے حساب
کہتے یہ ذمّہ مرا ہے مجھ کو دینا ہے حساب

ہر عمل کا مقصد و مدّ نظر عقبیٰ رہا
امتیازِ خانوادہ خاص کر تقویٰ رہا

فقر کی تشریح دوں یا کچھ غنا کا دوں بیاں
ان کی درویشی عیاں تھی اور تقویٰ تھا نہاں

نعمتیں لاکھوں میسّر تھیں مگر پروا نہ کی
پاسبانِ نفس تھے حرصِ جلال و جاہ نہ کی!

سینکڑوں کا لنگر و تیار دسترخوان تھے
دستگیری شان تھی یہ خود بھی خانساماں تھے

زورِ تقویٰ قوتِ روح اور عزم پائیدار
سوکھی روٹی پر تھا رکھا زیست کا دارومدار

ڈھونڈنا ہو گر کسی کو لقمۂ اکلِ حلال
نہ ملے گی نہ ملے گی اور بھی اس کی مثال

اُن کی ظلّ عاطفت میں خادماں بھی تھے نہال
طالبانِ علم بھی پروردۂ اکلِ حلال

مفت ہے تعلیم ساری اور تکلّف کا طعام
ہے فضائے صوفیانہ اور خوش طرزِ کلام

مدرسہ کی ارتقاء معیارِ درس اُونچا کئے
حافظ و علماء بنے اور افضل العلماء کئے

کیسے دوں اذکار و اشغالِ خفی کی کچھ مثال
میں نے دیکھا ہے سفر میں قلب کے باطن کا حال

جن کی قسمت میں تھا لکھا صاحبِ دل پا گئے
بیعتِ عظمیٰ ملی اور شیخ کامل پا گئے

سارے اسرار حقیقت کے وہ حامل پا گئے
برکتِ ۲ ایک سو اکانوے، سلاسل پا گئے

ایک مقصد ایک سودا ایک ہی طرزِ خیال
اپنی اپنی زندگی کی آپ تھے اپنی مثال

ہر عمل تھا پُر خلوص و خدمتِ دیں بے ریا
بے نیاز و بے ہوس خاطر تھا راضی برضا

وہ توکل اور زورِ عزم کو اپنا لئے
ہم کرشمہ سازیاں ان کے کئی دیکھا کئے!

روبرو اُن کے جو آتا سو پریشاں حال تھا
دل کی تسکیں سے وہ جاتے وقت مالا مال تھا

زائریں کو دیوڑھی پر دی بشارت دیکھ لیں
وعدۂ حق پیش ہے اہلِ عقیدت دیکھ لیں

سورۂ صف پہلی آیت سے بہت مجذوب تھے
دس سے بارہ آیتیں انھیں بڑے مرغوب تھے

کیا قوی تھا حافظہ کیا یاد تھی ہر بات کی
حیرت انگیزی صفت تھی سارے ان حضرات کی

نصف صدی سے بھی زیادہ میں نے پایا لاجواب
سینکڑوں ناموں کی فہرست لب پہ لاکھوں کا حساب

اب قلم کو روکنا کامی کے کچھ امکاں نہیں
داستاں یہ ختم کرنا ویسے بھی آساں نہیں

جان و تن کو جھونک کر خوں کو پسینہ کر دیا
پار آندھی اور طوفاں سے سفینہ کر دیا

مسندِ سجادگی سے کی وفا سینتیس سال
اس سے آگے بھائی کے بازوئے قوت پر جلال

اب وہ جسمِ ناتواں سے بھی نڈر ہوتے گئے
وصل کے آگے کے دن تک فرض ادا کرتے گئے

صبح تھی ہر صبح جیسی روز بھی ہر روز سے الوداع کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کر چل بسے
اُن کے دم سے جو ہوا کرتی تھیں نازل رحمتیں ساتھ اُن کے ہو گئے ہیں منتقل وہ برکتیں

شامِ غم تاریخِ وصلِ شیخ یہ ہاتف نے دی
حیف کاملی "شمعِ آخر تھا جلالِ باقری"

۱۹ ھ ۹۴

دیگر

جامع مسجد میر النر کتھل

دورِ حاضر کا ولی بے شک یہ نادر تھا
خانداں کا "شمعِ آخر سیّد باقر تھا"

۱۹ ھ ۹۴

◆

نالۂ کاملی سن رہا تھا ہر زباں کا
"لو بجھا یہ آخری شمعِ مکان کا"

۱۴ ہجری ۱۵

قطعہ

مسند نشینی جب ہوئی تو تہنیت تھی یہ مری خوش آمدہ، خوش آمدہ، دورِ جلالِ باقری
مرثیہ لکھنا پڑا ہے دیکھئے بد قسمتی الوداع وا الوداع، دورِ جلالِ باقری

پیش کش:

مولانا مولوی افضل العلماء پی محمد ابوبکر قمری لطیفی ملیباری استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

۵ زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

حاجی غلام محمود مہاجر حسرت
حضرت ذوقیؒ کی فارسی مثنوی کے اردو مترجم

ڈاکٹر افضل الدین اقبال : ریڈر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

حاجی غلام محمود مہاجر حسرت مدراس کے ایک ممتاز قادرالکلام شاعر تھے۔ افسوس ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اُن کی صرف ایک ضخیم مثنوی "ریاض سیرؐ" اب اُن کی واحد یادگار ہے۔ یہ مثنوی دراصل حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری ذوقی ویلوریؒ (متوفی: ۱۱۹۹ھ م 1785ء) کی فارسی مثنوی "معجزِ مصطفیٰ" کا اردو ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے دو مخطوطے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک سالار جنگ میوزیم لائبریری میں ہے اور دوسرا کتب خانۂ مدرسۂ محمدی، دیوان صاحب باغ، مدراس میں موجود ہے۔ یہ طویل مثنوی سنہ ۱۲۷۰ھ م 1853ء میں مطبع شرقیہ سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخے اب نایاب ہیں۔ صرف ایک نسخہ کا پتہ چلا ہے۔ جو کتب خانہ لطیفیہ عربک کالج، ویلور میں محفوظ ہے۔ یہ مطبوعہ نسخہ 436 صفحات پر مشتمل ہے۔ جب کہ اس مثنوی کے مخطوطے 487 صفحات پر محیط ہیں۔ مثنوی "ریاض سیرؐ" سات ہزار سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں آں حضرت صلعم کے ابتداءِ "خلقتِ نورِ محمدی" سے لے کر "زمانۂ وفات" تک کے حالات نظم کئے گئے ہیں۔ یہ مثنوی "معجزِ مصطفیٰؐ" کا اردو ترجمہ ہے۔ چناں چہ حسرت لکھتے ہیں: ؎

پناہِ زماں و امانِ زمین　　امامِ جہاں شاہِ دنیا و دین
بہ ملکِ سخن خسرو نام ور　　تخلص ہے ذوقی جسے مشتہر

لکھا اس نے ہے پُر شرف ایک کتاب / کہ بحر سیر میں ہے در خوش آب
ہے نظم اس کی اعجاز سے پُر تمام / بھی ہے "معجزِ مصطفےٰ" اوس کا نام
تو ہندی میں کہ ترجمہ اوس کیجئیں / بشرطیکہ افہام سے ہو قریں
نہیں فارسی سے جو کوئی آشنا / کریگا تیرے حق میں پھیر کر دعا
جو حاصل کریں فائدہ سب عوام / ثواب اوسکا پہنچے گا تجھ کو مدام
رہے گا جہاں بیچ لے دل نگار / بھی خیر جاری تیرا یادگار
جو یہ مشورت دل نے مجھ کو دیا / تو میں منعقد ترجمہ پہ ہوا
وہیں ہاتھ میں لے کے میں نے قلم / لگا ترجمہ کرنے اوس کا رقم

حاجی غلام محمود حسرت، قطبِ ویلور حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادریؒ کے مرید تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسرت نے قطب ویلور حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری کے والدِ ماجد حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محویؔ (متوفی ۱۲۴۳ھ م 1827ء) سے بھی فیض پایا تھا۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں: ؎

سکایا ہمیں علمِ عرفان کا / بہت رازِ پنہاں دلوں میں بھرا
تو اہلِ شریعت کا بے شک امام / دلیلِ طریقت ہے نوائے ہمام
نہ دیکھا زمانہ میں میں نے کسے / جو تجھ سا شریعت کو محکم کرے
تیرے بندۂ حکم شاہاں تمام / فدا حسرتِ خستہ تجھ پہ مدام

حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادریؒ سے عقیدت اور وابستگی کا اظہار حسرت نے اس طرح کیا: ؎

خصوصاً جو فرزند مسند نشین / ہے اوس شاہ کا محی شرع و دین
جہاں میں ہے عبداللطیف اوس کا نام / ہے بھی محی دین سے مشہور امام
وہ ہے وارثِ سید المرسلین [3] / وہ ہے ہادی زمرۂ مسلمین
شریعت کی ہے پشت اوس سے قوی / طریقت کو اوس سے ہے سو تازگی
جہاں میں ہے وہ عامِ باعمل / فضائل میں اوس کو نہیں ہے بدل
بلا شک ہے وہ رکنِ دینِ متیں! / بلا ریب خورشیدِ اوجِ یقیں

مجھے بھی کرم سے تو اپنی خدا　　نہ کر اوس کے قدموں سے ایکدم جدا
جہاں بیچ جب تک کہ جیتا رہوں　　دل و جان کو اوس پہ قربان کروں
پذیرا ہو مری یہ سب التجا　　خدایا بحق رسولِ خدا

حسرتؔ نے اپنے استاد الحاج سیّد محی الدّین کا ذکر بھی کیا ہے اور انھیں اہلِ دل و اہلِ علم و کمال بتایا ہے: ؎

جو ہے استاد میرا ہے وہ با شرف　　دل و جان سے مایل خدا کی طرف
گہر ہے سیادت کے وہ درج کا　　ہے اخترِ ہدایت کے وہ برج کا
کہ ہے محی الدین نام جس کے تئیں　　یہی تائید دین کام جس کے تئیں
ہے اہلِ دل و اہلِ علم و کمال　　ہے ارشاد پند اوس کا سب قیل و قال
وہ ہے افضل الحاج بیت الحرام　　وہ ہے زایرِ قبرِ خیر الانام
بلا شک وہ ہے سالکِ راہِ حق　　بلا ریب مقبول درگاہِ حق!!

مثنوی "ریاضِ سیر" کو نظم کرنے کی وجہ حسرتؔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ان کے دل میں یہ بات آئی کہ اس زندگی کو کچھ ثبات نہیں ہے اور نہ عمرِ دو روزہ کا کچھ اعتبار ہے۔ ذی اقتدار حکمراں جو کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کا نام و نشان باقی نہ رہا لیکن اس کے برخلاف 'خاصانِ حق' جنھیں 'عرفانِ حق' حاصل ہو جاتا ہے زندگیِ دوام حاصل کر لیتے ہیں۔ پھر حسرتؔ نے 'بوستانِ سعدی' کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص نے اپنی زندگی میں کوئی پل، مسجد، کنواں یا سرائے تعمیر کر گیا وہ مرتا نہیں۔ حسرتؔ اپنے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ غریب آدمی ہیں وہ ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ وہ نہ پل تعمیر کر سکتے ہیں اور نہ مسجد، کنواں اور سرائے بنا سکتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزر گیا اور انھیں زندگی کا کوئی ثمر نہیں ملا۔ وہ افسوس کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی زادِ راہ نہیں ہے اور انھوں نے کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا کہ کوئی ان کے بعد ان پر فاتحہ پڑھے۔ اس لیے انھیں ایک مفید کتاب لکھنے کا خیال آیا تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور انھیں یاد کریں۔ اس کے لیے حسرتؔ نے حضرت ذوقیؔ کی ضخیم فارسی مثنوی "معجزِ مصطفیٰ" کا انتخاب کیا اور اسے نظم کیا۔ اب ابیات ملاحظہ ہوں: ؎

میرے جی میں ایک روز آئی یہ بات ... کہ کچھ زندگی کو نہیں ہے ثبات
نہیں عمرِ دنیا کا کچھ اعتبار ... ہے اصل بنا اس کا ناپائیدار
جہاں میں بہت لوگ پیدا ہوئے ... بقدر حصص زندگی کر گئے
بہت پادشاہانِ ذی اقتدار ... فلک کو جولاتے نہ تھے در شمار
یہ دنیائے دو دن سے کیے جب سفر ... رہا کچھ نہ باقی پھر اون کا اثر
یہاں تک کہ کوئی بھی اون کے تئیں ... نہیں جانتا یہ کہ تھے یا نہیں

مگر ہو گئے ہیں جو خاصانِ حق ... ہوا ہے نصیب اون کو عرفانِ حق
بھی جو کوئی دنیائے دو روز سے ... گیا توشۂ آخرت ساتھ لے
ہوئی زندگی چند اون کی تمام ... موئے پہ بھی پائے ہیں دار السلام
اسی واسطے سعدی پاک ذات ... کہا بوستاں میں ہے کیا خوب بات
موا نہیں ہے وہ چھوڑ جس نے گیا ... پل و مسجد و چاہ و مہمان سرا
بیں جو آیا جو دنیا میں ہو کر غریب ... یہ تینوں بھی کاموں سے ہوں بے نصیب
نہ حاصل ہوا مجھ کو عرفانِ حق ! ... نہ طاعت سے پایا میں رضوانِ حق
جہاں میں نہ کچھ خیر جاری کیا ... یہ عمرِ عزیز اپنی جیب کھو دیا !
دریغا کہ حق پاس میرے تئیں ... سبب سرخروئی کا کچھ بھی نہیں
میری عمر ناحق گئی سب گزر ... ملا نیں مجھے زندگی کا ثمر
گئے لوگ جیسے جہاں سے گزر ... اس طرح میں بھی کروں گا سفر
تو اوس وقت جز حسرت و درد و آہ ... نہیں ہے میرے ساتھ کچھ زادِ راہ
کسی کو نہ مجھ سے ہوا فائدہ ... میرے بعد تا وہ پڑھے فاتحہ
کرے گا نہیں یاد مجھ کو کوئی ! ... نہ لیوے گا کوئی میرا نام بھی

نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم ... برابر ہے میرا وجود و عدم

اس احوال میں مجھ پہ اے ہوشیار ۔۔۔ یکایک ہوا فضلِ پروردگار
کہ یکبار خاطر میں یہ آگیا ۔۔۔ کوئی ایسی تصنیف کیجیے بھلا
کہ ہو فائدہ اس کو لوگوں کتیں ۔۔۔ کہ یہ بھی کم از خیر جاری نہیں

حسرت کو تصنیف کا خیال آنے سے اُن کے دل کو تسکین ہوی لیکن پھر خیال آیا کہ وہ کم علم ہیں، پھر تابِ تصنیف کہاں ؟ ؎

میرے ہاتھ سے پھر یہ کیوں ہوئیگا ۔۔۔ کہاں میں کہاں تاب تصنیف کا

آخر حسرت حضرت ذوقیؒ کی فارسی مثنوی "معجز مصطفیٰ" کا اردو ترجمہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ۔ اس ترجمہ کے متعلق ان کا بیان ہے کہ انھوں نے بے حساب محنت کی اور اصل ابیات میں انھوں نے کہیں کہیں اضافے بھی کیے ہیں : ؎

عزیزو لکھا ہوں میں جو یہ کتاب ۔۔۔ اوٹھایا ہوں محنت بہت بے حساب
میں ابیات کو اصل کے بھی کہیں ۔۔۔ لکھا ہوں بلا ترجمہ اے مھین

حسرت نے مثنوی کے آخر میں اپنے ترجمہ کے متعلق مزید لکھا ہے : ؎

بہت فکر کے بحر میں ڈوب کہ ۔۔۔ نکالا ہوں میں ایسے روشن گہر
جو میں دل کو اپنے بہت خون کیا ۔۔۔ تو یہ لعل پارے بنے بے بہا
جو سرسبز یہ باغ رنگین ہوا ۔۔۔ میرے خونِ دل سے ہے پالا گیا
لکھا ہوں جو میں یہ مقدّس کتاب ۔۔۔ اٹھایا ہوں محنت بے حساب

نہ تھی لیاقت مجھے بالیقین ۔۔۔ کروں ترجمہ نظم کو ایسے میں
نہ ہوتی مصنف کی تائید گر ۔۔۔ تو یہ کام تھا مجھ سے دشوار تر

مثنوی کے آخر میں حسرت نے حضرت ذوقیؒ کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے : ؎

رہے ذوقی قطبِ روشن ضمیر ۔۔۔ سپہرِ ولایت کا مہرِ منیر
وہ تھا تاج ورِ ملکِ تصنیف کا ۔۔۔ مصنف ہوا ایسا کہاں دوسرا

حسرت نے فارسی مثنوی "معجز مصطفیٰ" کا ترجمہ ۱۲۴۷ھ مطابق 1831ء میں مکمل کیا ۔ انھوں نے "ریاض سیّر" کے آخر میں اپنی مثنوی کے نام اور سنہ ترجمہ کو بھی

نظم کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے : ؎

بفضلِ خدا خالقِ ذوالمنن ! ہوا جب کہ آراستہ یہ چمن
ذہنِ بلبلِ طبع تجویز کر ! رکھے نام اوس کا ریاضِ سیّر

پھر آیا جو تاریخ کا کچھ خیال کہے تا کوئی خوب سے حسبِ حال
تامل کے دریا میں بس غوطہ مار نکالے عجب گوہرِ آب دار
یہی ہے وہ تاریخ بس جاں فزا زہی معجزِ خاتم انبیا

۱ ۲ ۵ ۴۷

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ اس مثنوی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائے خلقت نورِ محمدی صلعم سے لے کر زمانۂ وفات تک کے حالات نظم کئے گئے ہیں۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے۔ اس مثنوی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں : ؎

پڑی اوس کی آنکھوں پہ جس کی نظر ہوا حفظِ قرآن سے وہ بہرہ ور
بھوں پر پڑا اوس کے جس نے نظر ہوا پس وہ نقاش صاحب ہنر
جو کان اوس کے دیکھا سو مقبل ہوا جو رخسار دیکھا سو عاقل ہوا
نظر ناک پہ اوس کی کہ جس کی پڑی ہوا وہ طبیب اور عطار بھی
جو کوئی کہ دیکھا لبِ لعل نام وزیری میں اوس نے کیا خوب نام
جو دانتوں کو دیکھا سو خوش رو بنا زباں جو کہ دیکھا سو دربان ہوا
بھی دیکھا جو گردن زیب دار تجارت کا پیشہ کیا اختیار
جو بازو کو دیکھا سو ہے لشکری ہے گردن کشاں پہ اوسے سروری

غرض حسرت کے کلام میں روانی، سادگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ ان کے ترجمہ پہ اصل کا گمان گزرتا ہے۔ حسرت کی یہ مثنوی ان کی قادر کلامی اور زبان و بیان پہ اُن کی قدرت کو ظاہر کرتی ہے۔

مکتوباتِ

حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص

مولوی حافظ ابوالنعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری استاذ دارالعلوم لطیفیہ

مجددِ جنوب سلطان المرشدین حضرت مولانا الحاج شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہ نے اپنے تلامذہ، مریدین، معتقدین اور متعلقین و متوسلین کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند مکتوبات کا ترجمہ حاضر ہے۔

مکتوب بنام جناب عمر خان صاحب کتوال پلٹن ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ سلام و دعوات کے بعد واضح ہو کہ ۲۲ ر ۱۲۶۱ھ کا تحریر کردہ مکتوب دستیاب ہوا۔ دینی مسائل و احکام کے استفتا پر مشتمل اور متضمن رہنے کے باعث قلب کو خوشیاں عطا کیا۔ اور آپ کی خیریت و کیفیت سے آگاہ و شاد کیا۔ الحمد للہ علی ذلک:

آپ نے سات مسائل دریافت کیا تھا۔ سعادت آثار! جہالت سے بھرپور ان ایام میں لوگوں کے اندر بہت افراط اور تفریط ہے۔ فی الحال فقیر اس موضوع پر ایک کتاب "فصل الخطاب بین الخطاء والصواب" تصنیف کیا ہے۔ عنقریب شائع ہو جائے گی۔ ان مسائل کی تفصیل اس کتاب میں تلاش کر لیجیے۔

حاصلِ تحریر! المجتھد یخطی ویصیب کے حکم کے مطابق اجتہادی احکام خطا و صواب کے درمیان متردد ہیں۔ خواہ مجتہد مستقل ہو یا غیر مستقل، دونوں برابر ہیں۔ لیکن اجتہاد و استنباط میں صواب و درستی سے ہمکنار ہونے والے کو دو اجر ہیں۔ اور غلطی کرنے والے کو ایک اجر ہے۔ مجتہد کی تقلید اگرچہ کہ خطا میں ہو تو بھی نجات کا باعث اور ثواب کا وارث ہے۔ اور مقلد کو ضرورت اور احتیاط کے بغیر اپنے امام کے اجتہاد کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ چناں چہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی علیہ الرحمہ "کیمیائے سعادت" کے رکن دوم کی نویں اصل میں فرماتے ہیں:

"کسی شافعی شخص کو لائق نہیں ہے کہ نکاح بے ولی اور حق شفعۂ جوار (ہمسائگی خانہ و زمین) اور اس قسم کے مسائل کو موضوعِ بحث بنا کر کسی حنفی شخص پر اعتراض کرے۔ (یعنی مقلد کے لیے روا نہیں ہے کہ دوسرے امام کے مذہب پر حرف گیری اور نکتہ چینی کرے اور اس کی پیروی کرنے والے پر اعتراض کرے۔) اور اگر کوئی شافعی شخص ولی کے بغیر نکاح کرے اور نبیذ خرما کا استعمال کرے تو اس کو ان چیزوں سے روکنا اور منع کرنا ہر شافعی اور حنفی پر ضروری ہے۔ کیوں کہ اپنے منتخب کردہ امام کی مخالفت کرنا کسی

مذہب میں جائز نہیں۔

لہذا ہر ایک مذہب کے مقلد کو یہ بات واجب ہے کہ وہ صرف اپنے امام کے مذہب کی اتباع کرے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص اپنے اجتہاد کے خلاف عمل کرے تو گنہ گار ہے۔ پس یہ حقیقت میں حرام ہے۔ مثلاً کسی شخص نے قبلہ کا رُخ جاننے کے لیے اجتہاد کیا اور اپنے اجتہاد کردہ رُخ کے خلاف نماز ادا کیا تو وہ گنہ گار ہو جائے گا اگرچہ کہ دوسرا اس کو صحیح گمان کر رہا ہے۔

اور یہ بھی ناقابلِ اعتبار اور بے ہودہ بات ہے کہ آدمی اپنا مذہب و مسلک جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ جب ایک شخص اپنے خیال کے مطابق کسی امام کو فاضل تر قرار دے اور خود اس امام کا مقلد سمجھنے کے بعد ضروری ہے کہ وہ اپنے ہی متعین کردہ امام کے مذہب پر عمل کرے۔ اس لیے کہ ایک شخص امام شافعی کو فاضل سمجھنے کے بعد ان کے مذہب کے خلاف عمل کرنا خواہشاتِ نفسانی کے علاوہ اور کیا سبب ہو سکتا ہے؟

صاحبِ "شرح منہاج الاصول الی علم الوصول" فرماتے ہیں:

امام شافعی اور دوسرے مجتہدین کا اتفاق ہے کہ مقلد جمیع مسائل میں اپنے ہی امام کی تقلید کرے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بادشاہ بخارا کے چھٹے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: کہ

کسی حنفی کو بعض احکام میں مذہبِ شافعی پر عمل کرنے کی اجازت صرف تین صورتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ حنفی شخص جن مسائل کے اندر امام شافعی کی تقلید کرنا چاہتا ہے۔ اس مسائل کو کتاب و سنّت کی روشنی میں حنفی مذہب پر ترجیح دے اور یہ کام ایک مجتہد ہی کر سکتا ہے۔

دوسری یہ کہ کسی حنفی مسئلہ پر عمل کرنا دشوار ہو اور اس مسئلہ میں شافعی مذہب پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو مثلاً احکام مفقود اور شہروں میں پانی کے مسائل

تیسری یہ کہ وہ شخص صاحبِ تقویٰ و طہارت ہو اور صرف احتیاط کی خاطر امام شافعی

کے مذہب کو اختیار کرے۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک مقدار سے کچھ زیادہ صدقہ دینا ضروری ہے۔ اس مسئلہ کے احتیاطی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے حنفی شخص اس مسئلہ پر عمل کرے تو جائز ہے اور اسی طرح احتیاط کے خیال سے مور کا گوشت کھانا چھوڑ دے تو جائز ہے۔

لیکن ان تین صورتوں میں ایک قید یہ بھی رہے گی کہ تلفیق بین المذاھب کی صورت پیدا نہ ہونے پائے۔ اور دونوں مذہب کی پیروی میں ایسی صورت اور شکل نہ نکلے جو دونوں مذہب کے لحاظ سے صحیح نہ ہو۔ مثال کے طور پر امام شافعی کے نزدیک فصد کھولنا (خون کا نکالنا) ناقص وضو نہیں ہے لیکن امام ابوحنیفۃ النعمان کے نزدیک ناقص وضو ہے۔ اگر کوئی صاحب فصد کے بعد بلحاظ مذہبِ شافعی اس وضو سے ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرے جو فاتحہ کی قرأت نہ کرنے والا ہو۔

ایسی صورت میں تلفیق واقع ہو جائے گی۔ کیوں کہ شافعی مذہب کے لحاظ سے وضو ٹھیک ہے۔ لیکن سورۂ فاتحہ کی قرأت نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح نہیں اور حنفی مذہب کے لحاظ سے نماز ٹھیک ہے لیکن فصد کی وجہ سے وضو نہیں ہے۔

لہٰذا اگر کوئی حنفی شخص مذکورہ تین صورتوں سے ہٹ کر مذہبِ شافعی پر عمل کرے یا کوئی شافعی شخص مذہبِ حنفی پر عمل کرے تو یہ مکروہ اور حرام کے قریب ہے۔ کیوں کہ اس طرح اپنی سہولت اور اپنے نفس کی خاطر اپنے امام کی تقلید ترک کر دینا گویا دین کے ساتھ لہو و لعب اور استہزا اور تمسخر ہے۔

مولانا نظام الدین لکھنوی حنفی اور مولانا عبدالعلی لکھنوی حنفی "شرح مسلم" میں اور مولانا اسماعیل دہلوی حنفی "ایضاح الحق" میں مجتہد معین کی تقلید کے عدم وجوب کی جانب جو گئے ہیں، اس سے مراد وجوب استمراری ہے جیسا کہ "تنویر العینین" وغیرہ سے واضح ہے۔ اس سے ان کی مراد نہیں ہے کہ مجتہد معین کی تقلید نہ کرے اور اسپ بے لگام اور شترِ بے مہار کی طرح رہے۔ جو شخص مجتہد معین کی تقلید نہ کرے تو وہ دین میں کھیلنے والا ہوگا۔ معاذ اللہ من ذلك۔ اگر یہ حضرات مجتہدِ معین کی تقلید کے حامی اور طرف دار نہ ہوتے تو ان کا حنفی ہونا اور کہلانا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

مولانا سید احمد مجاھد، مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی، مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، مولانا شیخ عبدالرحیم دہلوی، مولانا سید عبداللہ، مولانا شیخ آدم بنوری، مولانا مجدّد الف ثانی اور مولانا سید احمد مجاھد کے دیگر مشائخ کرام بھی حنفی ہیں

"سفینۃ الاولیاء" کے مصنف لکھتے ہیں کہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور اس سلسلہ کے اکثر مشائخ کرام حنفی ہیں۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق محدّث دہلوی "مرج البحرین" میں فرماتے ہیں، تمام ائمۂ طریقت اور اساطین ملّت فقہا کے مذہب کے تابع رہے ہیں۔ چناں چہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی امام ثوری کے مذہب پر عمل کرتے تھے۔ اور غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی امام احمد بن حنبل کے مذہب پر عمل پیرا تھے۔ حضرت شبلی، حضرت مالکی اور حضرت جریری علیہم الرحمہ امام ابوحنیفۃ النعمان کے مذہب پر عمل پیرا تھے۔ حضرت محاسبی امام شافعی کے مذہب پر عمل پیرا تھے قدس اللہ اسرارہم ورضی اللہ عنہم۔

غرض ساری دنیا مجتہد معین کی تقلید ایک معمول اور مشہور بات ہے۔ پس اس قول "مجتہد معین کے بغیر ہر مذہب کے احکام پر عمل کیا جاسکتا ہے" کو امام غزالی نے بے ہودہ قرار دیا ہے۔ ہرگز اس قسم کی باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک مقلد کو قرآن وحدیث سے احکام اخذ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ربّانی شیخ احمد سرہندی مکتوبات کی جلد اول کے ۳۸۶ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے خلاف قرآن وحدیث سے احکام اور مسائل کا اخذ کرے اور ان پر عمل پیرا ہو جائے۔

مولانا شاہ اسماعیل دہلوی "مقدمہ ایضاح الحق" کی پہلی فصل میں "یہ مسئلہ استنباط احکام" میں فرماتے ہیں:

دوسری شرط یہ ہے کہ قیاس کنندہ مجتہدین میں سے ہوگا نہ کہ مقلدین میں سے۔

اس زمانہ کے اکثر مقلدین بغیر کسی لگام کے کتاب وسنّت سے احکام اخذ کر رہے ہیں اور مذہب تراشی اور خلاف اندازی میں پیچھے نہیں رہتے ہیں اور دینِ متین میں نفسانی خواہشات کے ذریعہ رخنہ ڈال رہے ہیں۔

علاوہ ازیں تقلید اور حنفیت کے دعویٰ کے باوجود مشکوٰۃ کی احادیث سے احکام اخذ کر رہے ہیں۔ حالاں کہ صاحبِ مشکوٰۃ نے شافعی المذہب رہنے کی وجہ سے اپنی کتاب میں بیشتر احادیث ایسی جمع کی ہیں جو اپنے امام کے مذہب سے موافقت رکھتی ہیں۔

اور مقلد ہونے کے باوجود دو عظیم ترین مجتہدین حضرت امام ابو حنیفۃ النعمان اور امام شافعی کے درمیان حکم اور ثالث بن رہے ہیں۔ اور سینہ وغیرہ پہ رفع یدین اور وضع یدین کے مسئلہ میں حکم بن رہے ہیں۔ عدم رفع اور وضع کو بدعت خیال کر رہے ہیں۔

مزید طرفہ طرازی تو یہ ہے کہ علم باطن سے بے گانہ اور ناآشنا ہونے کے باوجود دو جلیل ترین اور کبیر ترین بزرگ شیخ محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی کے درمیان میں حکم بن رہے ہیں اور وحدت الوجود کے باطل ہونے اور وحدت الشہود کے حق ہونے پر فیصلہ دے رہے ہیں۔ اور ہزاروں اولیائے کبار اور علمائے عالی اقدار پر حلول و اتحاد کی تہمت لگا رہے ہیں اور ان کی جانب کفر و الحاد کی نسبت کر رہے ہیں: کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا: کتنی بڑی بات ہے جو اُن کے منہ سے نکل رہی ہے۔ یہ تو نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔

حدیثِ شریف میں ہے: میری امت کے اکثر افراد کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہوں گی۔ فقیر اکہتر سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور لبِ گور بیٹھا ہوا ہے۔ جسمانی قوت کم رکھتا ہے اور ایک عرصہ سے فقہی مسائل اور فقہی اختلافات کی جانب توجہ اور میلان نہیں رکھتا۔ کیا کریں اسی روش پر زندگی چل رہی ہے، جیسی ہماری یہ روش ہوئی اسی پر چل رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ قلیل الفرصت بھی ہے۔ ایک انار سو بیمار، ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ مسائل کی تلاش و تفحص کی مہلت اور ان کے انتخاب کی فرصت نہیں پا رہا ہے۔

اوپر تحریر کردہ اقتباسات سے آپ اپنے سات سوالوں کا جواب پالیں گے دل میں بہت سی باتیں ہیں جس کی ترجمانی سے زبانِ قلم قاصر ہے: ؎

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ من آخر نشد — شب بآخر شد اکنون کوتہ کنم افسانہ را

عمر گزر گئی لیکن میری دردبھری داستان پوری نہ ہو سکی۔ رات ختم ہو رہی ہے لہذا

میں اپنا افسانہ ختم کئے دیتا ہوں۔
حضرت باری تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ دنیا و ما فیہا سے دھوکا نہیں کھاؤں گا، جوکہ خدا کی ملعون ہے اور امید ہے کہ باقی رہنی والی ذات کی محبت و جمعیت کی بوباس ہمارے مشامِ جان میں پہنچائے گا۔ زیادہ کیا لکھوں، حق تمہارے ساتھ رہے۔

مکتوب بنام سید غلام شیخن احمد صاحب شطاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم
پس از سلامِ مسنون! قلب سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ ۲۴ شوال سنہ ۱۲۶۵ھ کا التفات نامہ جو انتہائی لطف و کرم کے ساتھ فقیر کے نام تحریر کیا گیا تھا باصرہ نواز ہوا۔ خیریتوں کی خوش خبری سنانے والا تھا۔ فرحتیں اور مسرتیں بخشا: الحمد للہ علی ذلک۔
یہ لطف و کرم جو آپ دور افتادہ فقراء کی جانب فرماتے ہیں اور محبّت و خلوصِ دل کے ساتھ کلام فرماتے ہیں، امید ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی عنایت کے حصول کا ذریعہ بنے اور اس کی رضا و نزولِ رحمت کا سبب ہوگا: انہ قریب مجیب
آپ کے سجادہ نشین ہونے کی خبر سُنا۔ قلب کو خوشی و مسرت حاصل ہوی۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے امور و اشغال میں برکت عطا فرمائے اور اسی سے آپ کی عافیت و سلامتی طلب کی گئی ہے۔
فقیر گلِ گلزار سیادت کو دودمان عالی شان کا گلِ سرسبد خیال کرتا ہے اور سو دل سے ظاہری اور باطنی ترقیات کا خواہاں ہے۔
حضرت باری تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ آپ کی ذاتِ گرامی کو حضرت سید شیخن احمد شطاری، حضرت سید شاہ عطا اللہ صاحب، حضرت سید شاہ نبی صاحب قدس اسرارہم کے ظاہری و باطنی علوم اور معارف کا وارث بنائے گا۔ اور مکان برکت نشان کی آبادی کا سبب بنے گا اور بزرگانِ کرام اور سارے خانوادے خصوصًا محلِ مخدومی سجادہ صاحب

مغفور کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی راحت کا ذریعہ بنائے گا: بحبیبہ والہ الامجد
زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قائم رکھے اور آپ کے دورِ سجادگی کو
طول و وسعت بخشے۔

مکتوب بنام مولوی حافظ سید عبداللہ صاحب قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
سلام مسنون کے بعد۔ قلبِ سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ ۱۳؍ ذی قعدہ ۱۲۸۷ھ
کا تحریر کردہ محبت نامہ عین انتظار میں آ پہنچا۔ خیریت اور منزل مقصود پر پہنچنے کی خوشخبری
پر مشتمل رہنے کے باعث طمانیت پہنچا یا۔ الحمد للہ علی ذلک
"مکتوب مدنی" مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحریر و تصنیف ہے۔ مولانا شاہ
ولی اللہ محدث دہلوی اور سند العلماء مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ دونوں حضرات
کرام اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جزی اللہ عنا خیر الجزاء
"جواہر الحقائق" کے صفحہ اسّی میں "بیانِ سہو ین کہ در توحید نفس الامری" مرقوم
ہے اور "جواہر السلوک" کے صفحہ ایک سو تینتیس ۱۳۳ میں "بیان توحید حالی" مرقوم ہے۔ اگر یہ
دونوں بحثیں "مکتوب مدنی" کے ساتھ شامل کرلی جائیں تو طالبین کی تربیت میں بے حد
نفع بخش ثابت ہوں گی۔
اس کے بعد یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ خاص طور پر سالک کو راہِ حق کے سلوک
میں دو راہ پیش آئیں گی۔ ایک راہِ سلوک، دوسری راہِ جذب۔
راہ سلوک کی تفصیل 'جواہر السلوک' کے ۳۲ ویں فائدہ میں دیکھ لیجیے
سالک کو بیداری، توبہ، اوامر کی انجام دہی، منہیات سے کنارہ کشی، رذائل سے اجتناب
اور فضائل سے انتساب کے بعد ہی طریقۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ وغیرہ کے
بزرگوں کے اذکار اور اشغال میں مشغول کرتے ہیں۔ ان اشغال اور اذکار کا نتیجہ اللہ
تعالیٰ کے ساتھ نسبت کا حصول ہے۔ جو نور اور سکینت سے موسوم ہے اور اس میں

ملائکہ سے تشبّہ ہے اور جبروت یعنی اسمائے الٰہیہ کی طرف علم و آگہی ہے۔

اور 'عوارف المعارف' میں ۳۳ ویں باب سے لے کر ۵۰ ویں باب تک یہی معاملہ اور سلوک بیان کیا گیا ہے۔ راہِ جذب کی بحث 'جواہر السلوک'[1] کے دسویں فائدے میں ملاحظہ کیجیے کہ اس کو سفرِ اول، سفرِ دوم، سفرِ سوم اور سفرِ چہارم کہتے ہیں۔

اسفارِ عروجی میں لا الٰہ الا اللہ کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ اور اسفارِ نزول میں محمد رسول اللہ کا معنی سمجھ میں آئے گا۔ سفرِ اول میں اولیاء کی ولایت کی انتہا ہے اور سفرِ دوم میں انبیاء کے ولایت کی انتہا ہے۔ اور سفرِ سوم میں ولایتِ محمدیؐ کی حد کی انتہا ہے۔

اولیاء کی ولایت میں جذب کی ابتدا، افعال کے فنا سے ہے جس کو توحیدِ افعالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد صفات کی فنا ہے جس کو توحیدِ صفاتی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صفات کی فنا سے گزرنے کے بعد ذات کی فنا ہے۔ جس کو توحیدِ ذاتی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان توحیدات کو "وحدت در کثرت" اور "احدیت در کثرت" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اولیاء کی اس ولایت میں شہودِ حق، صورت یعنی شہادت کے آئینہ میں ہے۔ یا معنی یعنی ارواحِ مجردہ کے آئینہ میں ہے۔ یا صورت و معنی ہر دو آئینہ میں ہوتا ہے۔ اور اس کو توحیدِ وجودی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا شہودِ حق وراءِ صورت و معنی ہے اور اس کو "توحیدِ شہودی" ادراکِ بسیط، فناء فی الفناء، تجلّی برقی اور نیابتِ اولیاء کہتے ہیں۔

اور توحیدِ شہودی کے اس مرتبہ میں غیرِ حق مشہود نہیں ہے اور یہ ملائکہ مہیمہ کا مرتبہ جو اپنے ساتھ اور اپنے غیر کے ساتھ پرواز نہیں کرتے ہیں۔ اور ان تمام مراتبِ

---

[1] 'جواہر السلوک' اور 'جواہر الحقائق' فاضل مکتوب نگار حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ کی علمی و عرفانی تصانیف ہیں۔ جو فارسی زبان میں ہیں اور مصنفؒ کی زندگی میں مدراس سے شائع ہو چکی ہیں۔ مترجم: ابو النعمان غفرلہٗ

جذب کو "قرب نوافل" کہتے ہیں اور سفر چہارم میں نزولی، بقاء ذاتی اور بقاء صفاتی اور بقاء افعالی بندہ ہے جس کو بقاء باللہ، "کثرت در وحدت" اور "کثرت در احدیت" کہتے ہیں۔ اور ان تمام مراتب کو "قرب فرائض" بھی کہتے ہیں۔

اس مقام پر یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ اولیاء کی ولایت میں اجمال ہے اور انبیاء کی ولایت اور ولایتِ محمدیؐ، اولیاء کی ولایت کی تفصیل ہے اور اولیاء کی ولایت میں کثرت کے حجابات کی دوری، وحدت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور انبیاء کی ولایت میں وحدت کے حجابات کی دوری، اسمائے الٰہیہ کی کثرت وجوہ سے ہوتی ہے اور ولایتِ محمدیؐ میں تقیید کا زوال، ظاہر و باطن کی ضدین سے عین الجمع کی احدیت میں حصول کے ساتھ ہوتی ہے۔

پچھلی صحبتوں کی یاد یہ گفتگو لا رہی ہے اور خاموش رہنے نہیں دیتی ہے : ؎

از ہر چہ می رود ‏ سخن دوست خوشتر است

دل میں بہت ساری باتیں ہیں جن کی ترجمانی سے قلم قاصر ہے : ؎

عمر بگذشت وحدیث درد من آخر نشد ؛ شب بآخر شد اکنون کوتہ کنم افسانہ را

عمر گزر گئی لیکن میری دردبھری داستان پوری نہ ہوسکی۔ رات ختم ہورہی ہے لہٰذا میں اپنا افسانہ مختصر کئے دیتا ہوں۔

آپ نے اسلام کی تقویت کے بارے میں نواب صاحب زاد اقبالہٗ کے قلق و اضطرار، اور مرادوں کی تکمیل میں اس فقیر سے دعائے خیر کی درخواست کی تھی۔

مکرمی! الامر بیدہ تعالیٰ و تقدس۔ سارے امور و معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہے لیکن اضطرار مقاصد کے حصول کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

امن یجیب المضطر اذا دعاہ و یکشف السوء : یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے اور حاجت روائی فرماتا ہے جب اُسے پکارے تو وہ برائی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے۔

فقیر اجتماع خاطر، اخلاص تمام، عزیمت مضبوط اور قوی ہمتِ تامہ کے ساتھ اس کارِ خیر میں نواب صاحبِ ممدوح کی مراد کی جانب متوجہ اور دعاگو ہوں : انہ ھو القریب المجیب وعلی کل شئ قدیر۔

دعا مقبول و مستجاب ہونے پر اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ ہم سب کو شریعت مطہرہ پر آسانی کے ساتھ استقامت عطا فرمائے گا۔ اور اپنے فضل و کرم سے دنیا و مافیہا جو فنا پذیر اور ملعون ہے فریب نہ دے گا۔

حافظ عبداللہ صاحب، مولوی محمد حسن صاحب اور وہاں کے تمام بزرگوں کی خدمات میں سلام مسنون کا تحفہ پیش کریں۔

برخوردار رکن الدین سید محمد دعائے خیر کے متمنی اور سلام گزار ہیں۔ مولوی سید محمد قادری، مولوی سید شاہ محمد صاحب، مولوی محی الدین صاحب قصباوی، مولوی سید فضل اللہ صاحب، مولوی سید شہمیر صاحب، مولوی سید عبدالقادر صاحب مولوی عبدالوہاب صاحب قادری اور یہاں کے تمام احباب سلام مسنون کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

مکتوب بنام جناب محمود صاحب مہاجر مدراسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد۔ خاطر شریف پر واضح ہو کہ حدیث شریف میں وارد ہے: الناس عیال اللہ واحب الناس الی اللہ من احسن الی عیالہ مخلوق خدا کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک وہ شخص سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرتا ہے۔

ہرچند کہ اللہ تعالیٰ کے اہل و عیال نہیں ہیں لیکن جس طرح صاحب عیال پر اس کی بیوی بچوں اور رشتہ داروں کے رزق کی ذمہ داری ہوتی ہے اسی طرح اللہ نے بھی محض اپنے فضل و کرم سے بندوں کے رزق کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی ہے اور وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا: (زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ یعنی وہ اپنے فضل وسے ہر جاندار کے رزق کا کفیل ہے۔) کی آیت کریمہ کی رو سے اللہ تعالیٰ مخلوقات کی روزی کی

کفالت اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ لہذا اس معنی ومفہوم کے اعتبار سے مخلوق بھی اللہ تعالٰی کے عیال کے رنگ میں ہوگی۔ اور جو شخص کہ

اور جو شخص بھی کسی آدمی کے اہل وعیال کے ساتھ احسان وبھلائی اور ہمدردی کرتا ہے تو وہ صاحب عیال کے نزدیک محبوب ترین اور پسندیدہ ترین قرار پاتا ہے۔ اسی طرح جو بھی شخص اللہ تعالٰی کی عیال (مخلوق) کی خدمت گزاری اور خیر خواہی کرتا ہے تو وہ بھی اللہ تعالٰی کی نظروں میں محبوب ترین بن جاتا ہے۔

نیز دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے تاکہ بیج کو قابلِ استعداد زمین میں ڈال دے اور ایک دانے سے سات سو دانے حاصل کرسکیں۔ تالاب اور نہر کی تعمیر سے دانہ دار زراعت اور ثمر دار درخت کی پرورش مقصود ہے نہ کہ خاردار درختوں کی پرورش اور پانی کا ضائع کرنا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ؎

آب این بے حاصلاں یکسر بدریا می رود

نیز ساداتِ کرام کا حق نصوص شرعیہ کی رو سے خمس میں ہے۔ اسی بنا پر نواب عظیم الدولہ بہادر مغفور سال بسال آغازِ سال ہی میں سادات کا حق اپنے خمس میں سے نکالتے تھے اور پس ماندگان کو اخراج اور اجرار کی تکلیف سے فارغ رکھتے تھے۔ اور محل میں اس صدقۂ جاریہ کے پہنچانے کے سوا کوئی دوسری تکلیف ان کو نہیں دیتے تھے۔

سید الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کی عترت اور ائمۂ اطہار اور نامور علماء کی اولاد میں سے فقیر کے اعزہ میں فریاد کناں کہ چند نام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی پرورش ایک جماعت کی پرورش کے مترادف ہے اور ان میں سے ہر فرد کی کہانی اس آیت میں چھپی ہوی ہے:

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لایسئلون الناس الحافا: کسی سے سوال نہ کرنے کی وجہ سے نادان انھیں تونگر سمجھتے ہیں۔ آپ انھیں ان کی صورت سے پہچان لیں گے وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

یہ مسکین اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کی کوئی غرض نہیں رکھتا ہے۔ اس وجہ سے بغیر

کسی تکلیف کے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب اور قرابت داروں کے حق کی ادائیگی، حضرت رحمان کے عیال اور سرور انبیاء علیہ السلام کی اولاد اور مستحق ترین لوگوں اور بے آب ثمر دار درختوں اور خشکی زدگان کی پرورش میں لب کشائی کر رہا ہے۔

مخدومی محمود علی خان صاحب، مولوی صاحب نگارش خان صاحب کی خدمت میں مناسب وقت پر بعد سلام مسنون کے یہ پیام پیش کریں کہ موجودہ سال یا آنے والے سالوں میں جس وقت بھی مناسب سمجھیں اور گنجائش پائیں اپنے ذمہ میں لیتے ہوئے صدقۂ کاملہ کو مستحق ترین افراد جو چار ہیں ان کے نام جاری کرادیں۔

قبول کرنا آپ کے اختیار میں ہے بلکہ ہر شئی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے عطا کرنے والا، منع کرنے والا، نفع پہنچانے والا، نقصان پہنچانے والا، بند کرنے والا، کھول دینے والا، عزت دینے والا اور ذلت دینے والا حق سبحانہٗ تعالیٰ ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

ساری دنیا تدابیر اور ذرائع سے بھری ہوی ہے اور تیرے لیے کوئی تدبیر اور ذریعہ نہیں ہے جب تک تیرا خدا تیرے لیے کوئی راہ ہموار نہ کرے۔

اگر آپ تعاون فرمائیں تو درحقیقت مؤید اور معاون اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور آپ ماجور قرار پائیں گے۔ اور اگر آپ نے تعاون نہ کیا تو درحقیقت مانع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور آپ معذور قرار پائیں گے۔ حضرت باری تعالیٰ سے امیدوار ہوں کہ وہ آپ کی ذات بلند مناصب و درجات کو اپنے عیال اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عترت کی خدمت گزاری میں مشغول و سرگرم رکھے گا اور محبوب ترین بندوں میں شامل کرے گا۔ انہ قریب مجیب۔ اللہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے آپ کے وجود اور بقاء سے اسلام کی شان و شوکت کو باقی رکھے۔

دیگر این کہ سلخ رمضان اور بارہ شوال سنہ ۱۲۶۴ھ کے تحریر کردہ مکاتیب مکرر موافق یادداشت دستیاب ہوے۔ خیریتوں اور کیفیتوں اور درج کردہ مضامین سے آگاہی بخشی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے کاموں میں خیر و برکت عطا فرمائے اور تمہارے ساتھ خیر و احسان کا معاملہ فرمائے۔

فقیر بعض بزرگوں اور دوستوں کے اصرار و خواہش اور فریاد کی وجہ سے ان مستحق ترین لوگوں کی سفارش میں چند کلمات سپرد قلم کیا ہے۔ اگر نعم المعین کی اعانت سے معطیٔ صدقات کے حسب مقصود اور خالق معطی کی رضا اور صدقات جاریہ کے ایصال میں مستحق ترین لوگوں کی جانب التفات فرمائیں تو کوئی تعجب نہیں۔

آپ کو چاہیے کہ اولین یہ پیام نگارش خان صاحب کے گوش گزار کریں۔ اگر وہ اثبات میں جواب دیں تو مولوی صاحب کو سنائیں۔ اگر وہ بھی پسند کریں تو مخدومی محمود علی خان صاحب کے گوش گزار کریں۔ ورنہ حق سبحانہ' و تعالیٰ کی مرضی پر قائم رہیں۔

القلوب بین اصبعی الرحمٰن یقلبہا کیف یشاء لوگوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ جیسا چاہتا ہے دلوں کو پلٹ دیتا ہے۔ حکمت و مصلحت حکیم مطلق ہی جانتا ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیأ وھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیأ وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے: مثنوی

ے طفل می لرزد زنیش احتجام مادر مشفق دراں شاد کام

پچھنہ لگانے کی تیز نوک دار چھُری سے بچہ لرز جاتا ہے لیکن اس وقت میں مادر مہربان خوش ہو جاتی ہے۔

حدیث نبویؐ: من کتم سرہ فقد ظفر بمرادہ (جس نے اپنے راز کو پوشیدہ رکھا پس وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔) کی ہدایت کے مطابق مقصود کو حصول مقصود تک مخفی رکھیں۔ نیز جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ محرم الحرام کی آمد سے قبل ہی مقصود پورا ہو جائے۔ تاکہ معاملہ نزاع تک نہ پہنچے اور فقیر نزاع کا سبب نہ ہوگا۔ جوابی خطوط ملفوف ہیں۔ روانہ کریں۔ نیز حمید صاحب مرحوم کے فرزند محی الدین صاحب کے نام ایک مکتوب بند کئے بغیر رکھا ہوں۔ امید ہے کہ پڑھنے کے بعد بند کر کے اُن تک پہنچا دیں گے۔ اتفاق کی صورت میں ان کو تاکید کریں کہ اس کا جواب جلد تحریر کریں۔ زیادہ کیا عرض کروں

مکتوب بنام بخشی الملک نقی بہادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد۔ خاطر شریف پر واضح ہو کہ ۸ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ھ کا تحریر کردہ التفات نامہ دستیاب ہوا۔ جمعیت معنوی اور طلب الٰہی کی خبر دے رہا تھا۔ دل کو خوشیاں پہنچا یا این کار دولت است اکنوں تا کرا رسد۔ الحمد للہ علی ذالک:

مراقبۂ عجیبہ کہ جس میں تمہید کلام کی بات ہی نہیں ہے اور اصل مقصود (جو جامع جمیع کمالات ہے) کی طرف توجہ رہتی ہے۔ ذیل میں مرقوم ہے۔ شغل فرمائیے۔ اصل کام تو بس یہی ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ہیچ ہے۔ وجود جو کہ اصل مقصود ہے اس پر نظر ڈالنا دشوار ہے۔

"الطاف القدس" کے مصنف مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپ کے شاگرد رشید "قول الفصل" کے مصنف مولانا شرف الدین کے کلام کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ جو اصل مقصود کی نشان دہی کر رہا ہے۔

مُظہر ایک وجہ مَظہر کا عین ہوتا ہے اور ایک وجہ سے مَظہر کا غیر۔ مثلاً نوعِ انسان ظاہر ہے اور افراد انسان مظاہر، ظہور۔ ظاہر اور مظہر کے درمیان ایک نسبت ہے اور اس نسبت کا حکم دوسری تمام نسبتوں کے حکم کا غیر ہے۔ اس لیے کہ وہ ظاہر جمیع اعتبار سے مظہر کا عین نہیں ہے اور جمیع اعتبار سے مَظہر کا غیر بھی نہیں ہے۔ مانندِ نوعِ انسان بہ نسبت افراد انسانی۔

اگر نوع (حیوانِ ناطق) جمیع وجوہ کے ساتھ اس فرد (مثلاً زید) کا عین ہوتا تو یہ فرد (مثلاً زید) دوسرے فرد (مثلاً عمر) پر محمول ہونا چاہیے جیسا کہ نوع (یعنی حیوانِ ناطق زید اور عمر پر) محمول ہوتا ہے۔ اور اگر جمیع وجوہ کے ساتھ اس فرد کا غیر ہوتا تو (مثلاً زید انسان ہے) ھذا انسان صحیح نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ ھذا حجر (زید حجر ہے) صحیح نہیں۔

نوع انسان و نوع فرس حیوان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور حیوان و شجر، نامی کی طرف

نسبت کرتے ہوئے اور نامی وجماد، جسم کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور جسم ومجرد، جوہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے اور جوہر وعرض، وجود عام کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہی کیفیت رکھتے ہیں۔ (یعنی من کل الوجوہ عین بھی نہیں اور من کل الوجوہ غیر بھی نہیں۔)

لہٰذا یہ عمر بدیہی ہے کہ ان مقامات میں ایک دوسرے پر محمول ہونے کا مصداق اور ایک دوسرے کے مغایر ہونے کا مصداق دونوں پائے جاتے ہیں۔ اور اس صورت میں دونوں قبیل کے احکام کی گنجائش ہوتی ہے۔ ناقص عقلیں کبھی ان (مصداق حمل و تغایر) کو جمیع وجوہ کے ساتھ عین شئے کی قبیل سے قرار دیتی ہیں جیسے ملاحدہ

اور جب عینیت کے بعض لوازم نہ پائے جائیں تو اس عقیدہ کی تنقیض کر دیتی ہیں اور کبھی ان کو جمیع وجوہ سے غیر شئی کی قبیل سے قرار دیتی ہیں۔ جیسے اکثر متکلمین اور جب غیریت کے بعض لوازم نہ پائے جائیں تو متحیر ہو جاتی ہیں۔

عقولِ سلیمہ جانتی ہیں کہ عالم اور حق تعالیٰ کے درمیان عینیت اور غیریت کی نسبت کے علاوہ ایک اور ہی نسبت ہے۔ خصوصیاتِ عالم میں سے جو بھی خصوصیت ظاہر اور باہر ہے ساحتِ وجودِ عام اس کے غبار سے پاک ہے۔ جیسا کہ جلد کی سیاہی، قد کی کوتاہی، زبان کی لکنت نوعِ انسان کو ملوث نہیں کرتی۔ ہر چند کہ کالا، کوتاہ قد اور صاحبِ لکنت انسان ہی ہے۔ اور جو بھی چیز مطلق ہونے کی حیثیت سے اطلاق کے مرتبہ سے ظاہر ہوی ہو اس کو خصوصیت کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے۔ چناں چہ نوع ہونے، کلی ہونے اور مطلق ہونے کو اس فرد کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے۔ (یعنی ایک فرد لنگڑا ہو تو کہہ نہیں سکتے کہ نوع لنگڑی ہے، کلی لنگڑی ہے۔ مثلاً زید لنگڑا ہو تو کہہ نہیں سکتے کہ حیوان ناطق لنگڑا ہے۔) ہر چند کہ مطلق مقید میں ہے۔ (جیسے حیوانِ ناطق زید میں ہے۔)

جب انواع مختلفہ میں قسم قسم کے خواص ہاتھ لگتے جاتے ہیں تو الاشیاء تعرف باضدادہا (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔) کے حکم کے مطابق عقل ان امور متغایرہ کی سند سے مختلف انواع کے ثبوت کا یقین کر لیتی ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے فرق

کر کے پہچان لیتی ہے۔ برخلاف وجود عام کے کہ اس کا کوئی غیر محسوس اور معقول نہیں ہے کہ عقل اس کے اندر تصرف کر کے اس میں اور اس کے غیر میں فرق و امتیاز کر سکے۔

اس کے باوجود یعنی وجود عام کا کوئی غیر نہ ہونے کے باوجود، وجود عام پر لطافت پر لطافت اور بساطت پر بساطت چڑھی ہوی ہے۔ لہذا حیرت کے سوا کوئی چیز عقل کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اسی لیے فلاسفر نے جوہر اور عرض کے درمیان حقیقتِ مشترکہ کا اثبات نہیں کیا اور وجود عام کو جنسِ اعلیٰ شمار نہیں کیا۔ ان کا منشاء ان کی عقل کے نزدیک وجود عام کا عدمِ حضور ہے۔

اس عبارت پر غور سے نظر ڈالیے تاکہ وجود پر نظر پڑ سکے اور گنج مقصود کی کوئی نشانی ہاتھ لگ سکے۔ پس اس کے بعد ہی وجود پر نظر ڈالیے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (اور جنھوں نے ہماری راہ میں سعی و کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھائیں گے۔) کے حکم کے مطابق مرقوم الذیل مراقبہ کا شغل مفید ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق و ہدایت عطا فرمائے تاکہ مختلف تعلقات سے دھوکہ نہ کھائیں جو کہ زوال پذیر اور فانی ہیں اور باقی رہنے والی ذات کی محبت و جمعیت کی بو ہمارے مشام جان میں پہنچائے۔ انہ قریب مجیب وعلی کل شیٔ قدیر

مراقبہ

سب سے پہلے شریعتِ مطہرہ کے احکام پر عامل رہیں اور خطراتِ نفسانی اور وساوس قلبی کو دور کر کے کامل فراغت اور پوری یکسوئی کے ساتھ مکان و لباس کی صفائی اور جسم کی طہارت کے ساتھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جانب اس طور پر اور اس تصوّر و خیال کے ساتھ متوجّہ اور مائل ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ اس کی ذات پر اور جمیع اشیاء پر اور چاروں جہات اور فوق و تحت اور اندرون و بیروں ہے۔ وھو بکل شیٔ محیط یہاں تک کہ حقیقۃ الحقائق جو جمیع جہات سے منزہ ہے اس کی نظروں میں آسمانی فضا کے اجزاء میں ہوائے ساری (کسی چیز کے کل اجزاء میں پہنچ جانے والا) یا مٹی میں پانی یا دودھ میں پانی، یا جسم میں روح کے مانند شامل دکھائی دے۔

اور اس طرح اس معنی میں مفید ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ نور ساری اس پر اس طرح

جلوہ فگن ہوگا اور اس کا دل مطمئن ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس نور کا ظہور اس کی سعی سے نہیں بلکہ اس کی کوشش کے بغیر اور اس کے بغیر ظہور ہوتا ہے۔

اور یہ اس مراقبہ کا معنیٰ منتہیٰ ہے۔ خواہ یہ چیز ایک ہفتہ میں میسر آ جائے یا چھ ماہ میں۔ جب یہ نور محسوس ہو جائے تو سالک کو چاہیے کہ ساری اشیاء جو تصور کا احاطہ کرتی ہیں۔ ملاحظہ کے بغیر اور جہت کے ملاحظہ کے بغیر پوری تنزیہہ کے ساتھ تصوّر کرے تو تھوڑی سی مدّت کے اندر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے بے رنگی کی نسبت سے کوئی جہت دریافت ہوگی۔

اور مراقبات میں یہ مراقبہ بہترین ہے جس میں اصل مقصود کی جانب توجہ قائم رہتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ حق تمہارے ساتھ رہے۔ بحبیبہ وآلہ الامجد۔

مکتوب بنام سید محمد غوث صاحب صدر امین تلچیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ ارسال کردہ رقم موصول ہوی۔ جزی اللہ عنا خیر الجزاء۔

خانۂ شریف کے افراد اور دیگر متعلقین ویلور آ پہنچے اور یہاں اور تلچیری اور بنگلور کے احوال و کوائف سے آگاہی ہوی۔

کیا بات ہے! چند امور جو مشروع اور معقول ہیں آپ عظیم المرتبت کی نظر میں نہیں آ رہے ہیں۔ یہ کیا بلا ہوگی کہ خوف خدا، یوم الحساب کی یاد، تقویٰ اور زمانۂ شباب کی قدیم احتیاط سب کہاں رخصت ہو گئے اور پیرانہ سری کے ان ایام میں یہ سب کچھ کیوں فراموش ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جو بھی لمحہ گزر رہا ہے وہ عمر کے حصہ کو کم کر رہا ہے۔ اور موت کے لمحات کو قریب کر رہا ہے۔ اور آخرت کی کھیتی کا وقت گزر رہا ہے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ اور اس کا ثمرہ آخرت میں رکھا گیا ہے۔ لہذا دنیا، زراعت کا موسم اور عمل

کا وقت ہے اور آخرت، ثمرہ پانے اور عیش و آرام کا وقت ہے۔ اور جو شخص اس جگہ دنیا اور دنیا کی زوال پذیر اور فانی لذّتوں میں مشغول ہو جاتا ہے وہ اپنی زراعت و کاشت کو ضائع کر رہا ہے اور ثمرہ پانے سے خود کو محروم کر لے رہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کما تعشون تموتون و کما تموتون تبعثون: جس حال میں تم جی رہے ہو اسی حال میں مرجاو گے اور جس حال میں مرجاو گے اسی حال میں تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

موت کے آخری لمحات میں دنیا والوں میں سے کوئی بھی شخص اپنی جان، جانِ آفرین کے مشاہدہ کی حالت میں دے دے تو جب وہ قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو بارگاہِ خداوندی میں جسم و جان کے ساتھ اس کو حضوری حاصل ہوگی۔

فقیر کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال ہو چکی ہے۔ عالم برزخ قریب ہے۔ ظاہری اعتبار سے ملاقات کا امکان بہت بعید معلوم ہو رہا ہے۔ دل میں تو بہت ساری باتیں جمع ہیں، جن کی ترجمانی سے وقت مانع ہے۔ محبت پارینہ اور مصاحبت قدیمہ خموش بھی رہنے نہیں دیتی ہے۔ ناچار اور بے اختیار یہ گفتگو نوکِ قلم پہ آگئی: والمسئول من اللہ ان یعصمکم عما لا یلیق بکم بحرمۃ سید البشر المطھر عن زیغ البصر علیہ من الصلوٰۃ افضلھا ومن التحیات اکملھا۔ واللہ علی کل شیٔ قدیر۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ علماء ربّانی کی کتابوں سے ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر کا مطالعہ رکھیں:

۱۔ کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور

ہر نفس کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی میں پورے ملیں گے جو آگ سے بچا کر جنّت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو متاع غرور ہے۔
(آل عمران)

۲۔ انما مثل الحیوٰۃ الدنیا کمآء انزلنہ من السمآء فاختلط بہ نبات الارض مما یاکل الناس والانعام حتّٰی اذا اخذت الارض زخرفھا و

زینت وظن اھلھا انھم قٰدرون علیھا اتٰھا امرنا لیلاً اونھارا فجعلنھا حصیدا کان لم تغن بالامس کذلک فصل الایت لقوم یتفکرون۔
(سورۃ یونس)

دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی (یعنی سبزہ سے خوش نما معلوم ہونے لگی) اور اس زمین کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس (کے نباتات پھلوں) پر بالکل قابض ہو گئے تو ایسی حالت میں دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا (جیسے پالا یا خشکی یا اور کچھ) اور اس کو ہم نے ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل (یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی (بس اسی نباتات کے مثل دنیوی زندگی ہے۔) ہم اس طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔

۳۔ انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وان تؤمنوا و تتقوا یؤتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم۔ (سورۃ محمد)

دنیوی زندگی تو محض ایک لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان اور تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہ کرے گا۔

۴۔ انہ کان فی اھلہ مسرورا انہ ظن ان لن یحور
(الانشقاق)

یہ شخص (دنیا میں) اپنے متعلقین (اہل وعیال وحشم وخدم) میں خوش خوش رہا کرتا تھا (یہاں تک کہ فرطِ خوشی میں آخرت کی تکذیب کرنے لگا۔ اس نے خیال کر رکھا تھا کہ اس کو خدا کی طرف لوٹنا نہیں ہے۔)

۵۔ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشآء انہ بعبادہ خبیر بصیر۔ (الشوریٰ)

اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں سرکشی اور شرارت کرنے لگ جاتے۔ لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز ومناسبت سے ہر

کے لیے اتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے مصالح کو جاننے والا اور ان کا حال دیکھنے والا ہے۔

۶۔ ایحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لایشعرون۔ (المؤمنون)

کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ اس کی وجہ نہیں جانتے۔

۷۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ واللہ عندہٗ اجرٌ عظیم (التغابن)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے۔ اور جو شخص ان میں پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے گا تو اللہ کے پاس اس کے لیے بڑا اجر ہے۔

۸۔ زین للذین کفروا الحیوٰۃ الدنیا ویسخرون من الذین اٰمنوا۔ والذین اتقوا فوقھم یوم القیٰمۃ واللہ یرزق من یشآء بغیر حساب۔ (البقرۃ)

دنیوی معاش کفار کو آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ (مسلمان) جو کفر اور شرک سے بچتے ہیں ان کافروں سے اعلیٰ درجہ کی حالت میں ہوں گے اور روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے انداز و بکثرت دے دیتے ہیں۔

۹۔ بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والاٰخرۃ خیر وابقٰی۔ ان ھذا لفی الصحف الاولٰی۔ صحف ابراھیم وموسٰی۔ (الاعلیٰ)

تم دنیاوی زندگی کو مقدّم رکھتے ہو حالاں کہ آخرت دنیا سے بہتر اور پائیدار ہے اور یہ مضمون صرف قرآن ہی کا دعویٰ نہیں بلکہ یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراھیم اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں۔

اور ان احادیث کو اپنا نصب العین بنا لیجیے:

اللھم اجعل اٰل محمد قوتا: اے اللہ آل محمدؐ کو رزق عطا فرما۔

اللھم انی اعوذ بک من غنا یطیغنی ومن فقر ینسینی۔

اے اللہ میں ایسی خوشحالی اور غنا و ثروت سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے اندر

نسیان پیدا کرے۔

امام ربانی مجدّد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:
بیمار اور مفلس آدمی جب علماے سلف کی صحبت و قربت میں چلا جاتا تو پھر صحت اور غنا کا طالب اور متمنی نہیں رہتا۔

تیز "اخلاقِ جلالی" کی حکایت جس میں ایک حکیم ایک بادشاہ کے چہرہ پر تھوک دیتا ہے۔ مطالعہ کریں۔

فقیر حضرت باری تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ آپ کی زندگی اس نہج اور اس طور پر رواں دواں رہے گی۔ کہ آپ کی نظریں مخلوق، خالق پر ترجیح نہ پائے گی۔ اور آپ کی نظروں میں نعمت کا تصوّر و خیال، منعم کے بغیر نہیں آئے گا۔ اور کسی سے نجات کی امید قائم نہ ہوگی۔

ربنا اٰتنا من لدنك رحمة وهيئ لنا من امرنا رشدا:
اے ہمارے پرور دگار! ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام میں درستی کا سامان مہیّا کردے۔

مکتوب بنام محمّد یوسف خان صاحب شروانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سلام مسنون کے بعد، قلبِ سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ کا التفات نامہ نظر نواز ہوا اور فرحتِ فراواں پہنچایا۔

آپ کے دودمانِ عالی شان میں اسبابِ غنا و ثروت اور مواد استغناء پائے جانے کے ساتھ جس دولتِ خوش گوار کا احساس کیا جا رہا ہے وہ فقراء کے ساتھ نیاز مندی ہے اور اس عالی مراتب و درجات جماعت کے ساتھ انکساری ہے اور یہ چیز اس طائفہ کے ساتھ محبت و اخلاص کی بنیاد ہے اور اس طبقہ کے ساتھ خاص تعلق اور محبت و الفت ہونے کی خبر ہے۔ اس طائفہ کے ساتھ محبت و الفت رکھنے والوں

کے لیے یہی بشارت کافی ہے۔ المرء مع من احبہ: آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا۔ جس کے ساتھ اُسے محبت ہوگی اور اس طبقہ کے ساتھ انس و محبت رکھنے والوں اور صحبت و ہم نشینی اختیار کرنے والوں کے لیے یہی بشارت کافی اور وافی ہے۔ ھم قوم لا یشقی جلیسھم ولا یخیب انیسھم: یہ وہ جماعت ہے جس کی صحبت میں رہنے والی سقی اور بدبخت نہ ہوں گے اور اس کے محبت وانس رکھنے والے ناکام اور نامراد نہ ہوں گے۔ ع

ایں کار دولت است اکنوں تا کرا رسد

اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ہر کام میں خیر و برکت عطا فرمائے اور اسی کی ذات جل جلالہٗ سے تمہاری سلامتی و عافیت اور استقامت طلب کی گئی ہے۔

آپ نے خبر دی تھی کہ دہی کو زہر خیال کر رہا ہوں اور اس سے بکقلم محترز اور مجتنب ہوں۔ یہ بات دل کو اچھی معلوم ہوی۔ اسی طرح آب و طعام شب ماندہ، لیمو، اصناف نارنگی، ترشایہ، ترینہ، کدّو، پیٹھ سے پرہیز کریں۔

شہد، آنبہ، سیب، بہی، شفتالو، خربزہ شیریں، بہی اور سیب کے مربّے بشرطیکہ شہد کے ساتھ استعمال کریں۔

حاصل کلام مرخیات اور مضرات اعصاب سے پرہیز کریں اور مقویات کا استعمال رکھیں خصوصًا موسم سرما میں چائے اور ہینگ کو لازم کرلیں۔ اور شربتِ گل ٹھنڈے پانی کے ساتھ اور تیرۂ سونف اولاً دو تولہ استعمال کریں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو پانچ تا چھ تو لے تک اضافہ کرلیں۔ اور اسلوبِ مزاج سے آگاہی دیں۔

حضرت باری و موفق حقیقی سے امیدوار ہوں کہ وہ ہمیں اور آپ کو اور تمام دوست احباب کو معنوی مسمومات اور مضرات روحانی سے محترز اور مجتنب رکھے تاکہ حقیر دنیا کی مزخرفات اور ملمع کردہ اشیاء سے جو صرف ظاہرًا طراوت اور حلاوت رکھتی ہیں بچّوں کی مانند فریب نہ کھائیں۔ شیطانِ لعین کی ضلالت سے مباح سے مشتبہ اور مشتبہ سے حرام میں نہ گھر جائیں۔ اور اپنے مولا جل مجدہٗ کے سامنے شرمندہ و خجل نہ ہو جائیں۔ اور توبہ و انابت اور اتباع سنّت کے میدان میں قدم راسخ اور منہیاتِ شرعیہ اور ضرر رساں بدعات کو سمِّ قاتل سمجھیں۔ اے اللہ تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

کے صدقے سے دنیا کو ہماری آنکھوں میں حقیر بنا دے اور آخرت کو ہمارے دلوں میں عظیم اور کبیر بنا دے۔

احمد خان صاحب، بلند خان صاحب شروانی اور تمام بھائیوں کو سلام مسنون کا ہدیہ پیش فرمائیں یہاں تک کہ بزرگوں اور دوستوں سے بھی سلام مسنون سنائیں۔ زیادہ کیا تحریر کروں۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے۔ تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام سید محمد غوث صاحب صدر امین بہادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ اور سلام و تحیات کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ فقیر میسور، بنگلور کشنگری کی راہ سے یوم العرفہ کو رفقاء و احباب کے ساتھ بخیریت ویلور پہنچا۔ اس جانب روانگی کے عزم کے وقت عباس صاحب نبیرۂ یعقوب صاحب کو جو نہاور کی طرف جانے والے تھے، ایک مکتوب عجلت کے ساتھ مختصر وقت میں آپ کے نام تحریر کرکے ان کے حوالے کیا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو ملا ہوگا۔

میں جن دنوں نہاور میں مقیم تھا، آپ کے خانۂ شریف کے افراد کی طبیعت ناساز رہنے کی خبر سن چکا ہوں۔ اور اب ٹیپو صاحب کی زبانی بھی ضعف معدہ و قلب اور درد نیم سر کی شکایت سنی۔ کیا بات ہے کہ دشمن کو اس قدر مہلت دئے ہوئے ہیں۔ بلکہ کمال شفقت کے ساتھ پرورش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ زہر سفید مستعمل ہے۔ یا آپ کے گھر میں اس کی کان ہے۔ یا اس کی آرزو دامن گیر ہے۔ علت کے بغیر معلوم کہاں سے آپہنچا۔

بقول ایک طبیب دہی کا استعمال کرنے والا بوڑھا نہیں ہوتا اور اس کے گھر میں چور نہیں آتا اور اس کو کتا نہیں کاٹتا۔ یہ اس لیے ہے کہ بوڑھاپے کی منزل میں قدم

رکھنے سے قبل ہی موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ اور بیماری کی وجہ سے بیدار رہتا ہے اور بیدار رہنے والے شخص کے گھر میں چور آتا نہیں ہے۔ نیز بیماری کے سبب ہاتھ میں عصا آجاتا ہے اور کتا عصا کے قریب نہیں آتا ہے۔ کبھی کبھی شربتِ گل کا استعمال بھی تمام شکایات میں فائدہ مند ہوتا ہے۔ نیز سفرجل کا سکنجبین بھی نفع پہنچائے گا۔ اور سفرجل کا تھوڑا سا مربہ رجسٹرڈ ٹپال کے ذریعہ روانہ کیا گیا ہے حاصل کرلیں اور سکنجبین تیار کرلیں۔

آپ تو اعزہ و اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کی اہمیت اور صلہ رحمی کے فوائد و برکات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ حدیثِ شریف میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ روزِ قیامت اہل وعیال اور رمضان شریف کے اخراجات کا کوئی حساب نہیں لیا جائے گا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اخراجات اسراف کی حد کو نہ چھولیں ورنہ اس کا بھی حساب لیا جائے گا۔

ایک وقت تھا کہ آپ فقیر کے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے لیکن اب زمین دیگر اور زمان دیگر کا معاملہ نظر آرہا ہے۔ معلوم نہیں آپ کے دل میں چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکیوں کے حق سے متعلق کیا بات بیٹھ گئی ہے۔

فقیر ویلور پہنچے ہوئے دو ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن قلّتِ اوقات اور کثرتِ اشغال کے باعث خط نویسی سے قاصر رہا۔ دل میں تو بہت سی باتیں جمع ہیں لیکن ان کا اظہار بالمشافہ ہی درست ہے۔

اب تن پروری اور جسم پروری کی باتوں کا سلسلہ ختم کئے دیتا ہوں اور جان پروری اور روحانی گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں۔

فقیر مکۂ معظمہ میں قیام کے دوران مولانا باقر آگاہ ویلوری کی صاحب زادی حضرت فاطمہ صاحبہ کی خاطر "دائرۃ الوجود" پر رسالۂ اسفار تحریر کیا ہے جس میں اثباتِ وجود، توحیدِ حق، نبوّت انبیاء، حسنہ اور سیئہ کے ساتھ روح کی بقا اور دوام، تنِ مثالی، جسمانی بعثت اور اس طرح کی دیگر موضوعات کو عقل و فضل کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔

اس رسالہ کو نقل کروا کے ٹیپو صاحب کے حوالے کیا ہوں تاکہ وہ آپ کو ٹپال کے ذریعہ روانہ کرسکیں۔

سید نقی صاحب خسرپورہ شریف پر اصرار رہے کہ میں اپنے اس خط کے ساتھ

اُن کی ایک درخواست آپ کی خدمت میں روانہ کروں۔ ان کی خواہش رد کرنے میں غیرتِ ایمان مانع رہی۔ ان کا عریضہ ملفوف ہے۔ ہر شخص اپنی مصلحت کو خوب جانتا ہے۔ جو بہتر سمجھیں اور گنجائش پائیں اسی کے مطابق جواب دے دیں۔ زیادہ کیا تحریر کروں۔ اللہ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ رہے، تم جہاں کہیں رہو۔

نوٹ

فاضل بزرگ مکتوب نگار ایک لائق و فائق حکیم و طبیب تھے۔ آپ نے اپنے مکتوب میں دہی کے استعمال کو انتہائی نقصان دہ بتلایا ہے۔ حالاں کہ دہی کی افادیت ایک مسلّم بات ہے۔ شاید یہ تضاد اور تعارض قارئین کرام کے لیے الجھن کا باعث ہو۔ اس لیے مترجم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت قطب ویلور نے مکتوب الیہ کے مزاج اور طبیعت کو سامنے رکھ کر یہ کلمات تحریر کیا ہو۔ جس طرح کہ کسی گرم مزاج والے آدمی کو شہد کا استعمال نقصان پہنچا رہا ہو تو حکماء ایسے شخص کو شہد کے استعمال سے منع کرتے ہیں۔ حالاں کہ شہد کی افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

مترجم ابوالنعمان غفرلہٗ

قبولِ دعا کے لیے اہم باتیں

مولانا ابو محمد سید شاہ محمد عثمان قادری صاحب ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

یہ مسلّم حقیقت ہے کہ ہر انسان دعاؤں کا محتاج ہے۔ اگرچہ کہ وہ انسان اپنے لیے ہی رفعت وشان ہی بادشاہ ہو، اس لیے کہ انسان کی کاوش، کوشش، جد وجہد محدود رہے۔ انجام کار اس کو دعاؤں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی دعاؤں کا سہارا لیا اور حیاتِ دینی و دنیاوی ہی ہر دعا پر تکیہ کیا۔ اور پیغمبران خدا نے دعاؤں کے مانگنے کا حکم بھی دیا ہے۔

دعا دفعیاتِ بلا و آزمائش وغم والم اور بیماری سے تندرستی کے لیے ہے اور خالقِ کائنات نے کسی کو ہر طرح کی آسائش مہیا کر رکھی ہے۔ تب بھی زمانۂ آئندہ کی کس کو خبر! اس لیے آئندہ کے لیے صحت وسلامتی کے لیے یا پھر ملک میں امان یا پھر آسمانی بلاؤں سے تحفظ کے لیے دعا ضروری ہے خالقِ کائنات فرماتے ہیں تم دعائیں مانگو میں قبول کرنے والا ہوں۔

لیکن حیرت خیز بات ہے اور تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ لوگ دعائیں مانگتے ہیں لیکن دعائیں مقبول نہیں ہوتیں۔ وہ بحالتِ مجبوری بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے دربار میں بصد عجز ونیاز حاضری کا شرف پاکر منتیں، مرادیں مانگتے ہیں جب کہیں جاکر مرادیں بر آتی ہیں۔ طرف واحد میں یہ حکم واضح ہے کہ . . . . مجھ سے مانگو میں دوں گا، طرف آخر مانگی جائے تو نامقبول بلاشبہ دعا مانگنے والے میں کوئی نقص ہے ورنہ ہمارا ایمانِ کامل ہے کہ اللہ سچے ہیں اور وعدہ اس کا سچا صحیح ہے۔ قرآن شاہد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے وعدے سے کبھی مکرتے نہیں۔

حدیث میں آتا ہے محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

کہ لوگو! اُس بندۂ مومن سے اللہ بہت خوش ہوتے ہیں جو دعاؤں کا سہارا ہر معاملہ میں لیتا ہے۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا تو ہر انسان کی حاجت ہے پھر اللہ کی رضا اور خوشنودی کیسے حاصل ہوتی ہے؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: تمہارا سوال بہت عمدہ ہے اور فرمایا: رضا اور خوشی اس لیے کہ بندہ اس وقت خدا سے کچھ نہیں مانگتا جب تک کہ اس خدا کے دینے کا یقین نہ ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے فرشتوں سے بطور تفاخر کے کہ دیکھو میرا بندہ ساری دُنیا سے بے نیاز ہو کر مجھ سے مانگتا ہے۔ اور اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو وہ کیوں مانگتا؟ اس لیے موافقِ مصلحت اس کی دعاؤں کو ہم قبولیت کا شرف بخشتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لوگو! مومن کے ہتھیار سے بھی بڑا ہتھیار دعا ہے۔ مزید برآں آپ ﷺ کی زبانِ اقدس سے موتیاں افشاں ہونے لگیں، فرمایا عبادتوں کا گودا اور مغز دعا ہے۔ اللہ نے کئی معرکے دعاؤں میں مخفی رکھتے تھے، میں نے دعا مانگی اللہ نے فتح و نصرت عطا فرمائی۔

حدیثِ دیگر میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: لوگو! ایک شخص جو شکستہ دل رنجیدہ خاطر، تراشیدہ جگر، حوادثاتِ زمانہ نے جسے اپنے پیروں میں ڈال دیا ہو کبھی زمانہ اس کو سر اٹھا کر چلنے کا موقع فراہم نہیں کرتا وہ شخص اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتا ہے چند آنسوؤں کے قطرے تحفہ میں پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں ضرور قبول کرتا ہے اور جو شخص خلافِ مصلحت والی اشیاء مانگتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آخرت کے لیے تحفہ کر دیتے ہیں اور جب بندہ خدا کے حضور پہنچے گا اس وقت مانگی ہوئی دعائیں یاد دلائی جائیں گی اور اس کا ثمرہ دیا جائے گا۔ بندہ خوش ہو کر کہے گا کاش دنیا میں اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول ہی نہ کرتا۔ اور سب کا اجر بدلہ یہاں دیتا؟

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے جب سوال کیا گیا کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتیں کیا سبب ہے؟

آپؒ نے ارشاد فرمایا: اپنے خالق کو جانتے ہو مگر حق ادا نہیں کرتے، قاریٔ قرآن ہو عاملِ قرآن نہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے دعوے دار ہو مگر انؐ کی سنّت پر عمل نہیں کرتے۔ شیطان کو دشمن گردانتے ہو لیکن اس کے کاموں میں موافقت کرتے ہو، خوفِ آتشِ دوزخ ہے مگر پیرویٔ نفس کی کرتے ہو، موت کا یقین ہے، زادِ سفر تیار نہیں کرتے۔ خواہشِ جنّت تو ہے احتراز گناہ نہیں کرتے۔

(بقیہ صفحہ 169 پر ملاحظہ ہو)

کیا ہم اسلاف کے نقشِ قدم پر ہیں

مولانا مولوی پی۔ محمد ابوبکر صاحب
بلیباری ثمری لطیفی استاذ دارالعلوم لطیفیہ، ویلور

قومِ مسلم کی پستی کے اسباب کی تلاش میں آج جب کہ بڑے بڑے مصلحانِ قوم و رہ نمایانِ ملک و ملت مصروف ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس پُر آشوب زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی مذہبی اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی حالت حد درجہ تباہ و برباد ہو چکی ہے، ایسے وقت میں ملت کا ہر فرد اپنی زبوں حالی و بد حالی کو مدِّ نظر رکھ کر اپنے اپنے گریباں میں سر ڈال کر سوچے اور فکر کرے کہ آخر ہم وہی قوم تو ہیں جن کے جاہ و جلال، شوکت و اقبال، سطوت و حشمت کا خورشید ترقی کی انتہائی بلندیوں کو پہنچا ہوا تھا، جس کا دنیا اور دنیا والوں پر رعب چھایا ہوا تھا، جن کی قوت و طاقت سے بڑے بڑے جابر سلاطین کے محلوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ فتح و کامرانی جن کے قدم چوما کرتی تھی محکومی و غلامی جن کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتی تھی۔ لیکن آج ہمارا وہ جاہ و جلال اور ہماری سطوت و عظمت کہاں گئی؟ ہماری زبوں حالی و بد حالی کے دواعی و محرکات کیا ہیں؟

در حقیقت جب ملت کا ہر فرد اپنے آپ میں اس پر ٹھنڈے دل سے نہ سوچے گا اور زوال کے صحیح اسباب کو نہیں پہچانے گا تب تک اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل نہیں کر سکتا۔ غالباً یہ امر کسی پر مخفی نہ ہوگا کہ آج بہت سے ایسے لوگ ہیں جو

مسلمانوں کی پستی کے مختلف اسباب اور دواعی و محرکات کی طرف قوم کو متوجہ کرتے ہیں کسی کا نظریہ اس بارے میں کچھ ہے تو دوسرے کا کچھ۔ مثلاً ایک عالم یا کسی مذہبی شخص سے پوچھتے ہیں تو وہ نہایت یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ مسلمانوں نے احکام شریعت سے لاپرواہی اختیار کرلی۔ انھوں نے نماز، روزہ، جیسے ضروری احکام سے پہلوتہی اختیار کرلی اس لیے دن بدن ان پر زوال آتا جاتا ہے اور اگر کسی تاجر اور تجارت پیشہ شخص سے پوچھا جائے تو تو وہ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بتلاتا ہے کہ چوں کہ قوم مسلم نے تجارت جیسی عمدہ چیز کو چھوڑ دیا۔ ان کے ہاتھ میں تجارت نہیں رہی، اس لیے آج دوسری قوموں کے سامنے ذلیل و پست اور کمزور ہیں۔ اگر آج ان کے قبضے میں تمام بڑی بڑی تجارتیں ہوتیں تو وہ اس طرح ملک میں ذلیل وخوار نظر نہ آتے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی چیز بھی مسلمانوں کی پستی کا حقیقی سبب نہیں ہے۔ بلکہ قوم مسلم کی تباہی کا اور بربادی کے حقیقی محرکات و دواعی وہ ہیں جن کو آج سے چودہ سو برس پہلے دنیا کے سب سے بڑے مصلح، رہبرِ اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا ہے:

عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتھا فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذفن فی قلوبکم الوھن قال قائل یارسول اللہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب کفار اور گمراہ قومیں باہم آپس میں منظم اور متفق ہوکر تم پر یورش کریں گے اور تم پر حملہ کرنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح جمع کریں گے جس طرح کھانا کھانے والوں کی جماعت ایک دوسرے کو دسترخوان پر جمع کرتی ہے۔ حاضرین میں سے ایک صحابی نے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا اس وجہ سے وہ ہم پر حملہ کریں گے کہ ہم اس زمانے

دلوں میں دنیا کی محبت اوراس سے شغف کے علاوہ کیا ہے ؟ اس کی نگاہ میں سب سے محبوب دنیا اور متاع دنیا ہے ۔ آخرت اور بعد کی آنے والی زندگی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتی ۔ اس کے نزدیک حقیقی زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے ۔ اپنی حالت کو درست کرنے کے لیے اور ظالم قوموں سے نجات پانے کے لیے ، ذلّت و نکبت کی زندگی سے بچنے کے لیے سربکف، میدان میں آ نہیں سکتا ، کیوں کہ وہ دنیا کی محبت سے اس قدر وارفتہ ہوگیا ہے کہ اس میں جوش جہاد باقی نہیں رہا ہے ۔ اگر ایسا خیال آیا بھی تو دنیا کا سارا عیش و آرام یکسر خاک میں مل جائے گا ۔

ایک نظر اپنے بزرگوں کی زندگی پر ڈال کر دیکھو جنھوں نے اقلیت ہونے کے باوجود بہت ہی جلد اور ایک قلیل عرصہ میں اپنی حکومت و سلطنت کا پرچم دنیا کے گوشے گوشے میں لہرادیا ۔ ایسا کیوں ہوا ؟ انھیں دنیا اور متاع دنیا و عیش و آرام سے محبت نہیں تھی ۔ ان کے دلوں پر دنیا کی الفت نے بزدلی و غفلت کا پردہ نہیں ڈال رکھا تھا ۔ ان کی نظروں میں آخرت تھی اور وہ اپنی متاع کامیابی اور زندگی کی ساری خوشی آخرت کو سمجھے ہوئے تھے ۔ دنیا کی ہر چیز کو ہیچ سمجھ کر آخرت اور بعد کی زندگی کو ترجیح دیا ۔ نتیجہ ہر چیز سے آزاد ہو کر خلیفۃ اللہ فی الارض کا سکّہ جما دیا ۔ ان کی ترقی و عروج کا سبب یہی تھا کہ ان میں موت کا ڈر اور دنیا کی محبت نہیں تھی ۔ وہ اپنی ترقی اور عزت و آزادی کی راہ میں موت کے تلخ جام کو نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ اپنے ہونٹوں سے لگالیا ۔ ان میں جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ یہی وجہ تھی کہ بڑی سے بڑی قوموں نے انھیں دنیا سے مٹانا چاہا لیکن نہ مٹا سکے ۔ کیا غزوۂ بدر کا نقشہ تمہاری نظروں کے سامنے نہیں ہے ؟ جس میں تین سو تیرہ ۳۱۳ بہادر وجاں باز مسلمانوں نے اپنے جذبۂ جہاد اور موت سے نہ ڈرنے کے سبب ایک بھاری کثیر فوج پر غلبہ حاصل کرلیا تھا ۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہٗ کو جس وقت کفار قتل کرنے کے لیے میدان میں لائے اور کہنے لگے کہ اے خبیب اب بھی وقت ہے اسلام کو چھوڑ دو ، اور اپنی پیاری زندگی کو بچالو تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہٗ نے لٹکتی ہوئی تلوار نیچے سے یہ جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ کفر کی زندگی دنیا کے عیش و آرام کو بخش سکتی ہے اور

اس کے پیچھے جو ذلّت و نکبت ہے اس سے بہتر نعمت اور اسلام اور دلیرانہ ایک لمحہ کی زندگی میرے نزدیک بہترین و افضل ہے۔ یہ جملہ کہتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

خلافت فاروقی کے زمانہ میں جس وقت میدان قادسیہ میں مسلمانوں کا ایرانی فوج سے مقابلہ ہو رہا تھا اور نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ عین اسی وقت ابو المحجن رضی اللہ عنہ کو کسی جرم کی پاداش میں مسلمانوں کے ہاتھ مقید رہے۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور تنہائی کی قید میں پڑے ہوئے تھے۔ برابر میدانِ جنگ کا نظارہ کر رہے تھے اپنے مسلم بھائیوں کا جام شہادت پینا اور کفار کا برابر حملہ کرنا بھی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہا رہے تھے۔ صبر کا پیمانہ چھلک پڑا مجاہدانہ جذبہ سے متاثر ہو کر بلک بلک کر روتے ہوئے بے اختیار بول اٹھے:

کفی حزنا ان تطرد الخیل بالقنا   واترک مسدودا اعلی وثاقیا

یعنی اس سے زیادہ رنج و غم کیا ہوگا لشکر اسلام راہ خدا میں جاں بازیاں کرے اور میں بے کس و لاچار قید و بند میں پڑا ہوں اور میرے پاؤں بوجھل بیڑیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ سنگین دروازوں کے آہنی قفل مجھے میدانِ جہاد سے روکے ہوئے ہیں۔ اتنے میں امیرِ لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ان کی گریہ وزاری کو سن کر اُن کے پاس آتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ اے مجاہدِ ملّت! تمہیں کیا تکلیف ہے اس قدر گریہ وزاری کیوں کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ بہن میں کسی تکلیف کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں بلکہ غم اس بات کا ہے کہ مسلمان راہِ خدا میں جامِ شہادت پیے جا رہے ہیں اور میں خونِ دل پی رہا ہوں۔ اور وہ میدانِ جنگ میں سرفروشی دکھلا رہے ہیں اور میں قید و بند میں بے بس پڑا ہوا ہوں۔ بڑی نوازش ہوگی اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے پاؤں کی بیڑیاں کھول کر آزاد کر دیں تو پھر وعدہ کرتا ہوں اگر زندہ بچا تو واپس آکر مقید ہو جاؤں گا۔ صاحب زادی یہ سُن کر بیڑیاں کھول دیتی ہیں۔ پھر کیا تھا۔ یہ مجاہد و بہادر شوقِ شہادت میں مجاہدانہ اسپرٹ لیے ہوئے شیر کی طرح لشکر کفار پر حملہ آور ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر میں جنگ کا نقشہ پلٹ جاتا ہے اور لشکرِ کفّار میں بھگدڑ مچ جاتی ہے تھوڑی دیر میں فتح و

کامرانی کا پرچم لہرا کر خود کو پھر مقید کرا لیتے ہیں۔

آج اگر تم میں یہ دنیا کی الفت و محبت اور موت سے خوف کا بزدلانہ جذبہ نہ ہوتا تو تم بھی بہت پہلے اپنے آپ کو آزاد اور باعزّت دیکھتے۔ دنیا کی تمام قومیں تم سے خوف کھاتیں اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ تم پر حملہ کیا؟ آنکھ اٹھا کر دیکھتے! لیکن آج آپ کو دنیا داری اور دنیا کے مال و متاع کی محبت اور موت کے خوف نے اس قدر اپاہج اور نکّما بنا دیا ہے، اس میں بلند بانگ دعووں اور دھواں دار تقریروں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہر جگہ مسلمان تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور دوسری قومیں اُن پر بری طرح ظلم و ستم کر رہی ہیں۔

پس! اے مسلمان بھائیو! اگر تم چاہتے ہو کہ پھر سے دنیا میں سربلند اور بااقبال ہو کر رہو اور عالم میں ہر طرف تمہارا ہی بول بالا ہو اور تمہاری کھوئی ہوی ترقی و عزّت عود کر آئے تو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں جیسا جذبۂ جہاد اور موت سے بے خوفی اپنے اندر پیدا کرو اور دنیا کی الفت، محبّت اور موت سے بھاگنے کی کے بزدلانہ اور ذلّت آمیز جذبے کو دل سے نکال کر احساسِ عمل کو جگہ دو۔!

یاالٰہ العٰلمین ہم تمام مسلمانوں کو جذبۂ ایثار اور باہمی محبت و تعاون کی توفیق عطا فرما۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی طرح جذبۂ جہاد اور بے خوفی عطا فرما اور مسلمانوں کو تیرے بتائے ہوے راستے پر چلنے کی آمادگی عطا فرما۔

آمین بجاہ سید المرسلینؑ ❖

[بقیہ ص 195 کا: "پائے استقامت"]

ہفت سال ایوب با صبر و رضا — در بلا خوش بود با ضیفِ خُدا

بصبر مشکل عالم تمام بکشاید — کہ ایں کلید بہر قفل راست می آید

حضرت ایوب علیہ السلام سات سال درد و تکلیف میں خوش رہے۔ صبر تمام مصائب و مشکلات کا حل ہے۔ کہ صبر کی کنجی تمام قفلوں کی کاشف ہے۔

خالقِ کائنات سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں صبر و شکر کے جذبات کے ساتھ جادۂ ایمان پر قایم رکھے۔

وما توفیقی الا باللہ ❖

شہنشاہِ حجاز کا مقدس شہر

مولانا ابوالحسن محمد رمضان القادری کلیان پوری، استاذ دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!!

روئے زمین پر مدینۂ منورہ کی فضیلت واہمیت سے کسی بھی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ خالقِ ارض وسماوات نے حضور پُرنور شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رہنے کے لیے اس کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد کسی دوسرے شہر کو اس پر کیا فوقیت ہو سکتی ہے۔ بڑے بڑے مقتدر علمائے کرام اور فقہائے عظام نے شہرِ مصطفےٰ کے تعلق سے اپنے اپنے تاثرات کو حسنِ اسلوبی کے ساتھ اس کی عظمت وبزرگی کا اقرار واحترام کیا ہے۔

حضرتِ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ مدینۂ طیبہ کا احترام بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لیے پسند فرمایا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الباری نے فرمایا ہے کہ جس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے پسند فرمایا اور اس کی طرف ہجرت تجویز کی، یہی وہ شہر ہے جس میں شریعتِ مطہرہ کے فرائض نازل کئے گئے اور حضور نے اپنی سنتیں جاری کیں۔ اور اس شہر میں آکر دشمنوں سے جہاد فرمایا۔ اس شہر میں آپ کے دین کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ اسی شہر میں آپ کا وصال ہو کر آپ کی قبر مبارک بنی اور اس میں آپ کے دو وزیروں کی قبریں بنیں اور اسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک جا بجا پڑے۔ کھڑے ہونے کے اور چلنے پھرنے کے مقامات ہوں وہ اس قابل ہیں کہ اُن کے میدانوں کی تعظیم کی جائے۔ ان کی خوشبوؤں کو سونگھا جائے۔ اس کے در و دیوار کو چوما

جائے۔ اس سلسلہ میں بے شمار احادیثِ شریفہ اور آثارِ مبارکہ ہیں۔ درجِ ذیل ان میں سے چند پیشِ خدمت ہیں، حصولِ برکت کی خاطر:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرتُ بقریۃ تاکل القریٰ یقولون یثرب وھی المدینۃ تنفی الناس کما ینفی الکیر خبث الحدید۔ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایسی بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے جو ساری بستیوں کو کھا لے۔ لوگ اس بستی کو یثرب کہتے ہیں اس کا نام مدینہ ہے۔ وہ بُرے آدمیوں کو اس طرح دُور کر دیتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دُور کر دیتی ہے۔ دورِ جاہلیت میں اس شہر کا نام یثرب تھا جس کے معنی وبا، بیماری اور فساد کے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس شہر کا انتخاب فرمایا تو یثرب کی بجائے مدینۂ طیبہ رکھا۔ منافقین اس دور میں مدینہ شریف کو یثرب سے ہی تعبیر کرتے تھے جیسا کہ قرآنِ شریف میں ہے۔

واذ قالت طائفۃ منھم یاھل یثرب لامقام لکم فارجعوا۔

امامِ اہلِ سنّت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ مقولہ منافقین کا ہے کہ انھوں نے مدینۂ طیبہ کو یثرب کہا۔ مسلمانوں کو یثرب نہیں کہنا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ناگوار تھا کہ مدینہ پاک کو یثرب کہا جائے۔ یثرب کے معنے اچھے نہیں ہیں۔ (تفسیر نعیمی)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ مدینہ کو یثرب کہنا مکروہ ہے۔

امام بخاری نے فرمایا کہ جو شخص ایک بار یثرب کہے اس کو چاہیے کہ دس بار مدینہ بولے تاکہ تدارک و تلافی ہو جائے۔ اور بعض نے فرمایا کہ جو مدینہ کو یثرب کہے اس کو استغفار کرنا چاہیے۔

نیز مدینہ شریف کے مختلف نام ہیں جن میں سے یہ اسماء مشہور ہیں: مدینہ طابہ، طیبہ، دار البطحی اور یثرب۔ ان ناموں میں صرف یثرب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا۔ (مناسک امام نووی رح)

ایک دوسری حدیث ہے:

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی وسلم قال: اللّٰھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ: حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا ہے کہ اے اللہ تعالٰی جتنی برکتیں تو نے مکۂ مکرمہ میں رکھی ہیں ان سے دُگنی برکتیں مدینۂ منوّرہ میں عطا فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین کا یہ معمول تھا کہ جب اُن کے درختوں سے پہلا پھل ٹوٹتا تو سب سے پہلے اپنے آقا صلی اللہ تعالٰی وسلم کی خدمت میں تحفے میں ارسال فرماتے تھے۔ سرکار اس پھل کو لے کر یہ دُعا فرماتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں برکت فرما اور ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہمارے صاع میں برکت فرما اور ہمارے مُد میں برکت فرما۔ اے اللہ! حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرے بندے تھے، تیرے خلیل تھے، تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ ہوں، انھوں نے مکۂ مکرمہ کے لیے دُعا کی، میں ویسی ہی دعا مدینۂ طیّبہ کے لیے کرتا ہوں۔ اس کے بعد کسی چھوٹے بچّے کو وہ پھل مرحمت فرما دیتے تھے۔ اس حدیث شریف سے سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی طرف اشارہ ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں یہ آیت کریمہ ہے: فاجعل افـئدۃ من النّاس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات: یعنی اے ہمارے رب لوگوں کے کچھ دِل ان کی طرف مائل کردے اور انھیں کچھ پھل کھانے کو دے۔ (کنزالایمان)

الغرض سیّدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ دُعا دینی اور دُنیوی برکات پر مشتمل ہے۔ نیز دعائے خلیلؑ شرف قبولیت سے باریاب ہوکر صبحِ قیامت تک کے لیے فیوض و برکات کا سلسلہ مکۂ مکرمہ میں جاری و ساری ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص شہر مدینۂ منوّرہ کے لیے مکہ سے دوگنا اور تین گنا زیادتی کی دعا فرمائی اور اللہ تعالٰی نے قبول فرمایا ہے جیسا کہ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینۂ طیبہ میں گرانی بہت ہوگئی اور لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے تو سرکارؐ نے صبر کی تلقین فرمائی اور یہ خوش خبری دی کہ میں نے تمہارے لیے تمہارے

صاع اور مُد میں برکت کی دُعا کی ہے۔ (یہ دونوں ناپنے کے پیمانے ہیں) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کھانا علیحدہ علیحدہ نہ کھایا کرو بلکہ اکٹھا ہو کر کھایا کرو۔ اس صورت میں ایک کا کھانا دو کو کافی ہوجاتا ہے اور دو کا چار کو کافی ہوجاتا ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کا قبول ہونا مشاہدہ میں آیا ہے کہ جو مقدار کھانے کی مدینۂ طیبہ میں کافی ہوجاتی ہے اتنی مقدار کھانے کی چیزیں مدینہ سے باہر کافی نہیں ہوتی۔ وہاں رہنے میں اس کا تجربہ ہوتا ہے۔ (فتح الباری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس سے ہوسکے کہ مدینہ میں مرے تو وہ مدینہ ہی میں مرے کہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سارے مسلمان امیدوار ہیں کون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بغیر جنّت میں داخل ہوجائے۔ لیکن اس مقام پہ ایک خاص قسم کی شفاعت مُراد ہے۔ اور کوچۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت و بزرگی بتلانا مقصود ہے۔

چناں چہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا بہت مشہور ہے۔ اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک: اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور اپنے رسولؐ کے شہر میں موت عطا فرما۔ پروردگارِ عالم نے آپؓ کی دُعا قبول فرمایا اور خاص مسجد نبویؐ میں عین نماز کی حالت میں ابولولو کافر کے ہاتھ شہادت نصیب ہوی۔ اور روضۂ مصطفیٰ اعلیٰ کے پہلو میں استراحت فرمانا مقدّر ہوا۔

یہ بھی ارشاد فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کے مدینے کے راستوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ اس میں نہ دجّال آئے گا نہ طاعون۔ (بحوالہ قانونِ شریعت) ھ

مدینے کے خطّے خدا تجھ کو رکھے | غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا | ارے سر کا موقع ہے اوجانے والے

اور علامہ الحاج اختر رضا خان صاحب ازہری مدظلہٗ اس طرح سے گویا ہیں یہ

خدا نے یاد فرمائی قسم خاکِ کفِ پا کی | ہوا معلوم طیبہ کو دوعالم پر فضیلت ہے

Scanned with CamScanner

مذکورہ احادیثِ کریمہ اور آثارِ مبارکہ سے مدینۂ منورہ کی فضیلت تمام شہروں کے مقابلہ میں واضح اور روشن ہوگئی۔ لیکن ایک وہ مقدّس مقام بھی ہے جو سارے جہاں کے مسلمانوں کا مرکزِ عقیدت ہے۔ کیا اس سے بھی مدینہ شریف افضل ہے؟ اس سلسلہ میں علماء میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات مکہ کو مدینہ سے افضل بتلاتے ہیں اور بعض علماء مدینہ کو مکہ سے افضل گردانتے ہیں۔ ہاں! جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ زمین جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ انور سے ملی ہوی ہے وہ مکہ سے بھی افضل ہے۔ قاضی عیاض نے بیان فرمایا ہے کہ عرشِ معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ علامہ زرقانی نے مواہبِ لدنیہ میں فرمایا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو زمین کا حصّہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ملا ہوا ہے وہ ساری دنیا کی زمین سے افضل ہے۔ حتّٰی کہ کعبہ کی زمین سے بھی افضل ہے۔ اسی کی جانب اشارہ فرمایا مجدّدِ دین وملّت امام احمد رضا خان قدس سرّہ العزیز: ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

ہاں! یہ بات مسلّم ہے کہ مکۂ مکرمہ میں کعبہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قبر شریف کے علاوہ دنیا کی سب جگہوں سے بالاتفاق افضل ہے۔ گویا: ؎

سرزمینِ کعبہ بھی سرزمینِ طیبہ بھی
یہ بھی نور والی ہے وہ بھی نور والی ہے

علاّمہ ابن حجر شرحِ مناسکِ نووی میں فرماتے ہیں کہ علماء میں جو اختلاف مکہ یا مدینہ کے افضل ہونے میں ہے وہ کعبہ شریف کے علاوہ میں ہے۔ کعبہ شریف بالاتفاق مدینۂ منورہ سے افضل ہے۔ بجز روضۂ رسول اطہر کے اس حصہ کے جو سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے بدنِ مبارک سے مل رہا ہے۔ کہ وہ کعبہ شریف سے بھی افضل ہے۔ الغرض اختلاف ان دو مقدّس مقامات کے علاوہ میں ہے کہ کس کو کس پر فوقیت ہے۔ بعض حضرات اعمال کی جانب متوجّہ ہوکر فرماتے ہیں کہ مکہ میں اعمال کا ثواب مدینے کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ عنہم استدلال فرماتے ہیں۔ لہذا مدینے پر مکہ کو فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمایا کہ ہر شہر تلوار سے

فتح ہوا مگر مدینۂ طیبہ قرآن سے فتح ہوا۔ (زرقانی) نیز فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے جو رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں جن کا نہ شمار ہے نہ اندازہ۔ شریعتِ مطہرہ کی تکمیل اور شریعت کے جتنے احکام اس شہر میں نازل ہوئے اتنے نہ مکہ میں نازل ہوئے نہ کسی اور جگہ۔ سرکار ؐ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی زمین ایسی نہیں کہ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس اعتبار سے کہ میری قبر وہاں ہو بجز مدینہ طیبہ کے۔

مسجدِ نبوی کی نماز ثواب میں اگرچہ بیت اللہ شریف کی نماز سے کم ہے مگر درجہ اور قرب میں وہاں کی نماز سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں کعبہ سے قرب ہے۔ اور یہاں ان سے قرب ہے۔ جنہوں نے کعبہ کو قبلہ بنایا۔ اسی لیے فتح مکہ کے بعد بھی مہاجرین و انصار مدینہ ہی میں رہے اور یہیں کی نمازوں کو دل وجان سے قبول کیا۔ مرقاۃ نے فرمایا کہ صرف نماز کے لیے زیادتی نہیں ہے بلکہ مدینۂ طیبہ کی ہر عبادت کا یہی حال ہے۔ (مرأۃ المناجیح) ؎

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آکر مدینے میں ۔۔۔ مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوض۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو جگہ میرے گھر یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میری حوض پر ہے۔ حافظ ابنِ حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی مدینۂ طیبہ کے مکۂ معظمہ سے افضل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ جنّت کا ٹکڑا ہے۔

تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا۔ مدینہ شریف کی مٹی لعابِ دہن میں لگا کر جس مریض کو بھی استعمال کرائی جائے اس کو خدا کے حکم سے شفا حاصل ہوگی۔ سچ کہا ہے مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے: ؎

اٹھا لے جائے خاک تھوڑی ان کے آستانے سے ۔۔۔ نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانہ سے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون لا یدعھا احد رغبۃ عنھا الا ابدال اللہ فیھا من ھو خیر منہ ولا یثبت احدٌ

علی واٴنھا وجھد ما الا کنت لہٗ شفیعا او شھیداً یوم القیامۃ ۔ (رواہ مسلم)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ مومنین کے قیام کے لیے بہترین جگہ ہے اگر وہ اس کی خوبیوں کو جانیں تو یہاں کا قیام نہ چھوڑیں اور جو شخص یہاں کے قیام کو اس سے بددل ہو کر چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل یہاں بھیج دے گا اور جو شخص مدینہ کی مشکلات کو برداشت کر کے یہاں قیام کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ بنوں گا۔

اس حدیث شریف سے مدینہ میں قیام کرنے والے کی فضیلت ظاہر ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا کہ سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے دیارِ رسول میں شہادت اور قیام کی تمنّا اور آرزو کی ۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمنّاؤں کو قبول فرمایا ۔

لیکن ایک اہم سوال یہ ہے کہ بعض بزرگانِ دین نے مدینہ میں قیام کی فضیلت کے باوجود ترکِ وطن فرما کر دوسرے مقام کو اپنی قیام گاہ بنایا ۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے ؟ اس کے تعلق سے بہت سارے اقوال ہیں ۔ ان میں سے علامہ زرقانی نے بڑی ہی بصیرت افروز اور ایمان افروز بات فرمائی ہے۔ چناں چہ آپ کا ارشاد ہے ۔

جو صحابۂ کرام رضوان علیہم اجمعین یا دوسرے اولیائے کرام و بزرگان دین رحمہم اللہ نے مدینۂ طیبہ سے ترکِ وطن فرما کر دوسری جگہ کو وطن بنایا ہے درحقیقت ایک بڑا مجاہدہ اور ایثار و قربانی تھی ۔ اگر یہ حضرات اپنے ذاتی نفع کو مقدّم رکھتے تو آج ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں اسلام کیسے پھیلتا ؟ یہ انہیں حضرات کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ آج دُنیا کے ہر خطّہ میں اسلام کی روشنی پھیلی ہوئی ہے ۔ ان حضرات کا دُور دراز شہروں میں جا کر قیام کرنا دین کی خاطر تھا ۔ اللہ اور رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی کے لیے تھا ۔ گویا رسول ﷺ کی خوشنودی کی خاطر اس مقدّس سرزمین کے قیام کو قربان کرنا پڑا تھا ۔

ظاہر سی بات ہے کہ مدینہ کی سرزمین پر صبح و شام رحمت و نور کی بارشیں برستی ہیں اس سے یہ حضرات محروم رہے ۔ لیکن ان نفوسِ قدسیہ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیا ہے اور ان کی وجہ سے ہندوستان، پاکستان ہی میں نہیں بلکہ ساری دُنیا میں اسلام کی جو شعاعیں پھیلیں ان کی وجہ سے ان بزرگوں کو صبح قیامت تک اجر و ثواب پہنچتا رہے گا ۔ اس سلسلہ میں احادیثِ مبارکہ شاہد ہیں ۔ اور بعض بزرگوں کو تو بذاتِ خود ہادی عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ سے دوسرے مقام پر بھیجا اور بعض کے لیے مقامات کی تعیُّن بھی فرمائی۔ کسی کو بغداد، کسی کو اجمیر، کسی کو دہلی اور کسی کو کلیر اور کسی کو دیلور دارالسرور اور بہت سارے دوسرے مقامات ہیں جو اہل علم پر پوشیدہ نہیں ہوگا۔

ایک عاشقِ صادق نے اس طرح سے فرمایا: ؎

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجیے نگاہ ... جوت پڑتی ہے تیری نور ہے چھنتا تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں ... خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

پروردگار عالم ہمیں اور تمام مسلمانوں کو حرمین طیبین کی شرف زیارت سے مشرف فرماکر دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے! آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وعلیٰ اصحابہ اجمعین۔

وما علینا الا البلاغ

نعت

از
ممتاز قادری

یاد کیا آئی نظر روضۂ سرکار آیا
اوج پر آج میرا طالع بیدار آیا
لاالٰہ سے ہے اقرارِ نبیؐ کی بُنیاد
نقطہ ہونے کا یقیں از خطِ پرکار آیا
سر جھکائے ہوئے محشر میں گنہگار آئے
لاج رکھنے کو اُمّت کا طرف دار آیا
لب پہ آیات ہیں اور دل میں ہے دردِ اُمّت
مرحبا کتنا بڑا ہادی و غمخوار آیا
آپؐ کے در سے ہی وابستہ ہے ممتازؔ آقا
لاج رکھ لیجیے قدموں میں گنہگار آیا

پیشکش
سید شاہ عبد اللہ قادری جلیل
متعلم ایس ایس سی
رائل اسکول۔ حیدرآباد

طریقت

تصوّف وہ علم ہے جس کے ذریعہ عمل میں اخلاص پیدا کیا جاتا ہے اور اخلاص ہی شریعت کا مطلوب ہے۔ اس طرح تصوّف شریعت سے جدا نہیں ہے بلکہ یہ شریعت کے اعمال میں کمال پیدا کرتا ہے۔ علم تصوّف پر عمل کرنے کا نام طریقت یا سلوک ہے سلوک کے تین حصّے ہیں۔ پہلے شعبہ کا تعلق ریاضت ومجاہدہ سے ہے۔ دوسرا شعبہ مراقبہ کہلاتا ہے اور تیسرا شعبہ تفکّر ہے اگرچہ اصولی طور پر اس بحث کا اطلاق سلوک کے تینوں شعبوں پر ہوتا ہے یہاں ہم سلوک کے صرف پہلے شعبہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ جس کا تعلق ریاضت ومجاہدہ سے ہے۔

صاحبِ تصنیف صوفیہ میں سے ہر ایک نے سلوک کے طریقہ کے متعلق نہیں لکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ سلوک کے قائل نہ تھے یا ان کے نزدیک ہر آدمی آزاد ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہے عمل کرے۔ مولانا روم کی مثنوی سے کوئی سلوک کی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو نہیں ملے گی۔ اسی طرح دیوانِ حافظ یا بوستانِ سعدی میں سلوک کی تعلیم کا طریقہ نہیں بتایا گیا ہے۔ سبھی صوفیاء کا اتفاق ہے کہ سلوک کی تعلیم مرشد کی رہبری میں حاصل کرنا چاہیے اسی لیے شریعت نے اسے فرض نہیں قرار

ڈاکٹر سیّد وحید اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی۔ سابق صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو۔
مدراس یونیورسٹی۔ مدراس ۵

سلوک کی پوری تعلیم سب کے لیے یکساں نہیں ہے۔ مثلاً بادشاہ، جج، سپاہی وغیرہ کے لیے سلوک کی تعلیم میں ان کے فرائضِ منصبی کے اعتبار سے رعایت کی گئی ہے۔ "مرصاد العباد" مولفہ نجم الدین رازی دایہ میں اس کے متعلق کچھ تفصیلات دی گئی ہیں

دیا کہ بسا اوقات صاحبِ معرفت مرشد کا ملنا سخت مشکل ہے بلکہ اسلام نے دین کو سادہ اور آسان بنایا ہے تاکہ اس پر عمل کرنا دشوار نہ ہو۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب اخلاص شریعت کا مطلوب ہے لیکن

طریقت کے بغیر اخلاص ممکن نہیں ہے تو سلوک کو فرض قرار دیا جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل سلوک کو فرض قرار نہ دیا جانا محض عمل کو آسان بنانے کے لیے ہے۔ شریعت پہ مداومت کے ساتھ عمل کرنے سے یقیناً اخلاص پیدا ہوتا ہے لیکن تمام اعمال میں کمال اخلاص کے لیے طریقت لازمی ہے۔ اسی لیے قرآن میں بھی آدمیوں کے درجات کا ذکر ہے۔ ان میں ایک درجہ ان لوگوں کا ہے جن کے اعمال اچھائی اور برائی سے ملے جلے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی نجات پا جائیں گے۔ چناں چہ سورۂ توبہ میں ہے:

وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً ط عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم: یعنی دوسرے لوگ جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا انھوں نے ملے جلے کام کیے کچھ اچھے کچھ بُرے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

وہ لوگ جن کے اعمال اور برائی سے اور اچھائی سے ملے جلے ہیں یا اُن کے بعض اعمال میں اخلاص کی کمی ہے وہ اللہ کی رحمت سے بخش دئے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ انسانِ کامل نہیں ہیں۔ کامل انسان وہ ہیں جنھوں نے اپنے اعمال میں کمال اخلاص پیدا کر لیا ہو، پھر معرفت اور اس کے مطابق اعمال کے بھی مدارج ہیں۔ اس لیے انسانِ کامل میں بھی مدارج ہیں نجات کے لیے شریعت کافی ہے لیکن اپنی روح کو کمال کے درجے تک پہنچانے کے لیے طریقت بھی ضروری ہے۔

صوفیاء نے قلب کی صفائی پہ زور دیا ہے اور انسان کو اس کے علوِ مرتبہ سے آگاہ کیا ہے اور سلوک کی اہمیت کو بتایا۔ لیکن چوں کہ سلوک کی تعلیم مُرشد کی اطاعت پر منحصر ہے اس لیے ہر ایک نے اس کی تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں سمجھی۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ بعض افراد کے منصبی فرائض کے اعتبار سے سلوک میں کچھ فرق ہے لیکن اس کا اصل الاصول ذکرِ الٰہی ہے۔ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اس پہ سبھی صوفیاء کا اتفاق ہے۔ قرآن نے بھی ذکرِ الٰہی پہ بہت زور دیا ہے۔ ذکر کی تعلیم تمام خانقاہوں میں ہوتی چلی آرہی تھی۔ اس لیے اس کو بار بار لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح مراقبہ اور تفکّر وغیرہ بھی عملی تعلیم کے ذریعہ نسلاً بعد نسل جاری تھے۔ ان تمام باتوں کا ذکر تفصیل سے بعض صوفیاء نے قلم بند بھی کر دیا

ہے ۔ اس لیے بیشتر صوفیا ر نے جو لکھا ہے اس کا مقصد ذہنی طور پر لوگوں کو قبولِ معرفت کے لیے آمادہ کرنا ہے ۔ لیکن حصولِ معرفت مُرشد کی رہبری پر منحصر ہے ۔

یہ معرفت کیا ہے؟ معرفت بھی ایک طرح کا علم ہے لیکن علم اور معرفت میں فرق ہے ۔ اور اس کو ایک مثال سے یوں سمجھو کہ زید نے بکر کو دیکھا تو جان لیا کہ بکر ایک آدمی ہے ۔ اس کو خبر ہوی کہ بکر شاعر بھی ہے ۔ اب بکر کے بارے میں اس کے علم میں ایک اور اضافہ ہوا ۔ لیکن اگر زید کے اندر یہ بصیرت ہو کہ اس کی شاعری کو دیکھ کر اس کے تمام کمالات کا اپنی بصیرت سے ادراک کر سکے تو یہ بکر کے بارے میں زید کی معرفت ہوگی آدمی تو محض ہڈی گوشت اور پوست کا ایک ڈھانچہ ہے اور یہ صفت تمام حیوانوں میں پائی جاتی ہے ۔ اس لیے انسان کی اصل یہ ڈھانچہ ہی ہے ۔ اس کی اصل اس کے باطن میں ہے ۔ جیساکہ ایک جگہ مولانا روم یوں کہتے ہیں ۔ ؎

اے برادر تو اندیشۂ ای ما بقی از استخواں و ریشہ ای

ترجمہ : اے بھائی تمہاری اصل وہ ہے جو تمہاری فکر ہے ۔ اس کے علاوہ تم جو کچھ ہو وہ محض ہڈی اور ڈھانچہ ہے ۔)

اس باطن کا ادراک خود انسان کے لیے آسان نہیں : ع

آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا (غالب)

ایک انسان اپنی جسمانی طاقت کو کس حد تک بڑھا سکتا ہے اس کا اندازہ اسی وقت ہو سکے گا جب وہ پوری ریاضت اور اس کی شرائط کے ساتھ ایک مدّتِ دراز تک عمل کرے ۔ اب اگر وہ دیکھ لے کہ اس ریاضت کے بعد وہ بیس من کا بوجھ اٹھا سکتا ہے تو اپنے بارے میں اس کا یہ مشاہدہ ہوگا ۔ یہ تو جسمانی طاقت کا حال ہے ، لیکن اگر کوئی روح کی طاقت کو ترقی دے اور پھر اس کی قوت کا مشاہدہ کرے تو عقل حیران رہ جائے ۔ شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں بیان کیا ہے کہ ایک صوفی کو دیکھا کہ شیر اور سانپ اس کے مطیع ہیں ۔ روحانی طاقت سے انسان عناصر پر غلبہ پا لیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ روحانی کمالات کا عقل سے کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا روحانی کمالات محض عطیۂ الٰہی ہیں ۔ لیکن سلوک میں سالک پر جن علوم کا انکشاف ہوتا ہے وہ بھی محض خبر اور عقل سے دریافت نہیں ہو سکتے اور وہ بھی معرفت میں داخل ہیں ۔ اس

کے نتیجہ میں بندہ میں کامل موحّد کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کے احوال میں ملتا ہے کہ آگ میں بھی سوائے خدا کے کسی کی رضا کے طلب گار نہ تھے۔

جاننا چاہیئے کہ معرفت میں بھی دھوکا ہوسکتا ہے۔ اگر معرفت شریعت کے بالکل مطابق ہے تو وہ شریعت ہی ہے۔ اس کا فائدہ صرف یہ ہے کہ عارف کو یقین کا جو درجہ حاصل ہوتا ہے وہ دوسروں کو نہیں ہوتا۔ کیوں کہ دوسروں کا علم خمیر پر مبنی ہے اور عارف کا علم مشاہدہ پر۔ اگر معرفت شریعت کے خلاف نہیں ہے یعنی دین کی روح کے خلاف نہیں ہے لیکن اس کا صریحاً ذکر بھی نہیں ملتا تو حسنِ ظنّ یہ ہے کہ عارف کی تصدیق کی جائے کیوں کہ جھوٹ سے کوئی بھی مقامِ معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر کوئی اس کی تائید نہ کرے تو اس پر کوئی فتویٰ بھی جاری نہیں کیا جا سکتا۔ اگر معرفت طریقت کے بالکل خلاف ہے تو حقیقت میں وہ معرفت ہی نہیں بلکہ الحاد و زندیقہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عارف پر شیطان کا وقتی طور پر دخل ہو گیا یا وہ عارف ہی نہیں بلکہ دوسروں کو دھوکا دے رہا ہے۔ یا اُسے معرفت کا علم نہیں ہے۔ یہ معرفت بطریق الہام بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ الہام میں بھی دھوکا ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

"مکتوبات سید احمد شہید" کے مکتوب ۲۶ میں صفحہ ۱۴۸ پر ایک عبارت ہے جس کا اردو ترجمہ صفحہ ۱۵۲ میں لکھا ہے۔ یہاں ہم صرف اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

"مصلحتِ وقت کے مدّنظر یہ تھی کہ اس رکن اعظم جہاد کا قائم رہنا شریعت کی رو سے بغیر امام کے تقرّر کے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے ۱۲ رجمادی الثانی ۱۲۴۳ھ مقدس کو مشاہیرِ کرام، مشائخ عظّام اور قابلِ احترام شہزادوں اور صاحبِ حشمت خوانین اور تمام خاص و عام مسلمانوں کے اتفاق رائے سے امامت کی بیعت اس عاجز کے ہاتھ پر تکمیل پائی اور جمعہ کے روز میرا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ اس خاکسارِ بے مقدار کو اس بلند مرتبہ کے حاصل ہونے کی بشارت غیبی اشارات اور الہام کے ذریعہ جن میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں پہلے ہی دی گئی تھی۔"

سید احمد شہید کے ۶۶ سال پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس موضوع کے متعلق آگاہی دے چکے تھے۔ جو اُن کے ملفوظات بنام "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" کے صفحہ

۳۴۳ میں موجود ہے۔ اس کا اردو ترجمہ حضرت علامہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی مدظلہ العالی نے مقدمۂ کتاب کے صفحہ ۵۴۵ میں لکھا ہے۔ جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا اگر کسی درویش سے سلطنت کی خواہش اور حکومت کی رغبت ظاہر ہو اور وہ اس رغبت کو الہام حق کہہ کر بیان کرے کہ اللہ کا کلمہ کی سربلندی کے واسطے ہے قبول نہ کیا جائے۔ کیوں کہ یہ ہرا باغ نفس و شیطان کا بنایا ہوا ہے۔ اس امت میں اللہ کے الہام سے ملت کے انتظام کے لیے اولیاء اللہ میں سوائے حضرت امام مہدی کے جو کہ آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے کسی اور کے لیے انتخاب اور قیام کی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت مہدی دونوں کاموں کو کریں گے۔ (یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور انتظام امر ملت) ان کے علاوہ جو بھی اس کا دعویٰ کرے اس کی غلط روی کا حکم کیا جائے۔ کیوں اس کا یہ فعل از راہِ نفسانیت ہے اور اس کا کوئی اصل نہیں ہے۔"

"حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ کشف اور بیان بڑا اہم اور غور طلب ہے۔ آپ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اولیاء حق اور اللہ کے برگزیدہ افراد میں سے اگر کوئی دعویٰ کرے کہ مجھ کو الہام ہوا ہے کہ مسلمانوں کا امیر بنوں اور اسلام کی خدمت کروں تو سمجھ لو کہ اس کو اپنے کشف اور الہام کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔ یہ کام اخیر دور میں حضرت امام مہدی کریں گے۔" (القول الجلی: مقدمہ: ص: ۵۴۵)

معرفت کے سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت ہی حجت ہے اور فقہا کے اقوال ہی جو کہ قرآن وحدیث یا ان پر مبنی قیاس سے حاصل ہوئے ہیں قابلِ اتباع ہیں۔ صوفیاء کے اقوال حجت نہیں ہیں۔ کیوں کہ صوفیاء کے اقوال یا معرفت کی باتوں کی کسوٹی صرف شریعت ہی ہے تو اگر یہ اقوال یا معرفت شریعت کے عین مطابق ہیں تو ان کا ماننا اور اتباع کرنا شریعت کا اتباع کرنا ہوا۔ خود صوفیاء شریعت کی پابندی میں فقہاء کے تابع تھے۔ اصل معرفت خدا سے قربت کی علامت ہے اور اس یقین کی علامت ہے جو عام لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی اور یہی اس کا اصل فائدہ ہے۔ باقی فوائد اس کے توابع میں ہیں۔

یہ معرفت جو سلوک کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے، اس کا حصول فرض نہیں ہے۔

کیوں کہ سلوک بھی فرض نہیں ہے۔ لیکن اس کی فضیلت سے انکار بھی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے۔ معرفت کے بعد بندہ سے جو کرامت کا صدور ہوتا ہے اس کا بھی فاعلِ حقیقی صرف خدا ہے۔ لیکن عارف فعلِ حق کا مشاہدہ خود اپنی ذات کے اندر کرتا ہے اسی لیے کسی کا قول کہ مَنْ عَرَفَ نفسہ فقد عَرَفَ رَبَّہٗ: جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یوں تو فضلِ حق کا اثر ساری کائنات میں جاری وساری ہے۔ لیکن عادی چیزوں سے عام طور سے انسان متاثر نہیں ہوتا اور غیر عادی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور اکثر لوگوں کے لیے عارف کی کرامت یقین کا سبب بنتی ہے۔

موجودہ زمانے میں طریقت کے متعلق طرح طرح غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔

ایک تو یہ کہ کیا قرنِ اول میں یہ سلوک تھا جس کی تعلیم صوفیا دیتے ہیں؟ کیا لفظ سلوک یا طریقت کی اصطلاح موجود تھی؟ اگر سلوک تھا تو اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے چاہیے۔ اس غلط فہمی کا ایک بڑا سبب خود صوفیاء کی وضع کردہ اصطلاحات اور ایک ہی حقیقت کے بیان کے اُن کے مختلف طریقے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑا سبب صوفیاء کے بیانات اور اقوال سے معترضین کی ناواقفیت ہے۔ مثلاً فنا و بقا، تکوین و تمکین، حال و مقام، تجرید و تفرید، تفرقہ و جمع، صحو و سکر وغیرہ، اسی طرح ذکر کے طریقے وغیرہ ہیں۔ مثلاً ذکر خفی و جلی وغیرہ اسی طرح سلوک کی تعریف مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ اور کی جا سکتی ہے۔ مثلاً ایک تعریف یہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حسنہ سے بدلنے کا نام سلوک یا طریقت ہے۔ دوسرے منزلِ فنا و بقا تک پہنچنے کا نام طریقت

ھ عوام کو لفظ فنا اور بقا سے دھوکہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ کی ذات فنا ہو جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کے اندر جو صفات مذموم ہوتی ہیں وہ فنا ہو جاتی ہیں اور ان کی جگہ صفاتِ حسنہ قائم ہو جاتی ہیں۔ اور شرع کا بھی یہی منشا ہے۔ یہاں فنا بقا کی تعریف میں صرف ایک کتاب "الکبریت الاحمر والاکبر" مولفہ عبداللہ بن ابو بکر عیدروس سے عبارت نقل کی جاتی ہے۔

اردو ترجمہ خود ناشر کا ہے۔ (دیکھیے صفحہ ۷ پر حاشیہ)

تیسرے مرتبہ وحدت الوجود یا وحدت الشہود تک پہنچنے کے طریقہ کا نام طریقت ہے۔ چوتھا مرشد کے ذریعہ عشقِ رسولؐ تک پہنچنا اور عشقِ رسولؐ سے عشقِ الٰہی تک تک پہنچنا اور اس اس طرح غرق ہوجانا کہ اس کے وجود کے سامنے اپنا وجود کالعدم نظر آئے طریقت ہے۔ اس کے بعد وہ نوافل کو کم کرسکتا ہے۔ لیکن شارع علیہ السلام کی اتباع اور فرائض و واجبات کبھی ساقط نہیں ہوتے۔ رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ واعبد حتیٰ یاتیک الیقین یہاں یقین سے مراد موت ہے۔ یہاں بھی تصوّف اور ویدانت کا ایک فرق ظاہر ہے۔

شنکر آچاریہ کے نزدیک علم حق الیقین تک پہنچ جانے کے بعد بندہ سے عبادت ساقط ہوسکتی ہے۔ دراصل ویدانت اور شنکر آچاریہ ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہوگئے ہیں ورنہ ویدانت کے دوسرے شارح راما نج نے شنکر آچاریہ سے اختلاف کیا ہے اور کہتے ہیں کہ حصولِ معرفت کے بعد عبادت کیوں کر ساقط ہوسکتی ہے؟

(قدیم ہندی فلسفہ: از پروفیسر ماتھر)

ع۵ (صفحہ کا بقیہ حاشیہ) فنا سے مراد یہ ہے کہ تمام بُری خصلتیں آدمی سے فنا ہوجائے اور بقا سے مراد یہ ہے کہ جو خصلتیں اچھی ہیں وہ آدمی میں باقی اور قائم ہوجائیں اہلِ سلوک فنا اور بقا سے اور معنی بھی لیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک فنا سے مراد خواہشِ نفس کی فنا سے مراد ہے۔ یعنی دنیا کی جو خواہشات اور آرزوئیں تھیں وہ سب فنا ہوگئیں، اور کچھ نہ رہیں۔ اور جب یہ خواہشات فنا ہوگئیں تو بندے کے پاس صرف نیّت و اخلاص بندگی اور عبودیت رہ گئی۔

اخلاق ذمیمہ جنھیں فنا کرنا مقصود ہے ان کی مثال حسد و بغض و کینہ وغیرہ ہیں اور خصالِ محمودہ جو باقی ہیں وہ معبود کی فرماں برداری اور صدق و سچائی ہے۔ یہ دونوں قسم کی خصلتیں یعنی محمودہ اور مذمومہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر بندے میں ایک فنا ہوجائے گی تو اس کی ضد ہے باقی رہے گی۔

اس معنی میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے بھی "شرحِ آداب المریدین" میں لکھا ہے (ورق ۱۳۵) اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے "عوارف المعارف" میں اور حضرت مجدد نے اپنے "مکتوبات" میں بھی لکھا ہے طوالت کے خوف سے ہم یہاں مزید نقل نہیں کررہے ہیں۔ فنا کے بھی مدارج ہیں۔

ہم نے اوپر سلوک کی جو چار تعریفیں پیش کی ہیں ان میں سے ایک عام طور پر قابلِ فہم ہے۔ یعنی اخلاقِ ذمیمہ کو اخلاقِ حسنہ سے بدلنا اور جب معلوم ہو گیا کہ اس کو فنا بقاء بھی کہتے ہیں تو اب اس میں بھی کوئی اشکال نہ رہا۔ اخلاق کی درستی اور تزکیۂ نفس شریعت کا بھی عین منشاء ہے۔

ان سطور میں طریقت و تصوّف سے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جواب دینا مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد صرف طریقت کی وضاحت کرنا ہے۔ اس ضمن میں ہم اصولی بحث وہیں تک محدود رکھیں گے۔ جتنا ضروری محسوس ہو گا۔

طریقت پر ایک عام اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح سلوک کی تعلیم نہیں دی تو صوفیہ کو یہ حق کہاں سے پہنچتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی اختراع کریں اور اسے دین میں شامل کر دیں۔ لیکن حقیقت میں یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ فقہی احکام کی تفصیل قرنِ اول میں کہاں تھی؟ یہ سارے احکامات بعد میں مدون ہوئے لیکن فقہی احکام کی اصل قرآن و حدیث ہی ہیں۔ فقہ کا تعلق انسان کے ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے۔ سلوک کا تعلق قلب و نیّت سے ہے۔ اس لیے اس کے احکام بھی اسی کے مطابق ہیں۔ عمل کا مدار تو اصل میں قلب کی حالت ہی پر ہے۔ صوفیاء سلوک کے مسائل کے لیے جن قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں وہ اس طرح کی ہیں۔ "خدا کا ذکر کثرت سے کرو" خدا کا ذکر ہر حالت میں کرو یعنی کھڑے، لیٹے، بیٹھے اور کروٹ کی حالت میں۔" "مومن کو خدا اور رسولؐ سے محبّت اور اپنی جان سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔" "طاعت و محبّت الٰہی کے ذریعہ مومن خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔" "تم جو جانتے ہو اس پر عمل کرو تو خدا تمھیں وہ بھی بتا دے گا جو تم نہیں جانتے۔" "خدا خارج اور باطن میں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔" وغیرہ اور اس طرح کی احادیث ہیں کہ "جو خدا کا ہو گیا خدا اس کا ہو گیا۔" "جس نے نوافل کے ذریعہ خدا کی قربت اختیار کی تو خدا خود اس کی قوت بن جاتا ہے۔" "زمین پر چلتا پھرتا مردہ دیکھنا چاہو تو (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھو وغیرہ۔

غرض کہ جس طرح فقہاء کو اعضاء و جوارح پر حکم لگانے کا حق ہے اسی طرح اہلِ عرفان کو باطن کی پاکیزگی کے لیے مسائل کا استنباط کا حق ہے۔

جس طرح دین فقہ میں محصور نہیں ہے اسی طرح دین سلوک میں بھی محصور نہیں ہے۔ اور جس طرح قرنِ اول میں فقہی مسائل کی تفصیل نہ تھی۔ اسی طرح سلوک کے مسائل بھی بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن فقہ اور سلوک جس کا قرآنی نام احسان ہے دونوں کا اصل قرآن و حدیث میں موجود ہے ان میں سے صرف چند آیات واحادیث کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے اس کی تفصیلات کو اُمّت کے منتخب علماء پر چھوڑ دیا گیا۔ جن کو پیغمبرؐ کی نیابت کا درجہ حاصل ہے۔ عام طور سے تصوّف کے مخالفین بڑے زور وشور سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب تصوّف اور سلوک بہت ضروری ہے تو رسولؐ نے خود کیوں نہیں اس ساری تفصیلات بیان کر دیں۔ انھیں غور کرنا چاہیے کہ سلوک کا حال بھی فقہ کی طرح ہے۔ احکامات پر عمل کرنے کے لیے فقہ ضروری ہے۔ لیکن پہلے اس کی تفصیلات نہ تھیں، اسی طرح تزکیۂ نفس کے لیے سلوک ضروری ہے اگرچہ اس کی تفصیلات پہلے نہ تھیں۔ فقہ کے مسائل سے واقفیت کے لیے علماء کی صحبت اور کتب فقہ کافی ہیں۔ سلوک کا اہل اگرچہ ہر ایک نہیں ہوتا لیکن کم از کم مُرشد کی صحبت تریاق کا کام کرتی ہے جیسا کہ حکم دیا گیا ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ اور یہ حکم دیا گیا کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور خدا تک پہنچنے کے لیے وسیلہ اختیار کرو (یاایھا الذین آمنوا ابتغوا الیہ الوسیلہ) تقویٰ میں تمام اپنے اعمال شامل ہیں۔ تقوی کے حکم کے ساتھ پھر یہ حکم دینا کہ وسیلہ اختیار کرو صاف ظاہر کرتا ہے کہ وسیلہ تقوی کے علاوہ ہے۔ اور یہ وسیلہ صادقین سے محبت ہے۔ (یاایھا الذین کونوا مع الصادقین۔)

فقہ اور سلوک کے بارے میں ایک اور امر قابلِ ذکر ہے، دین کی اصل میں کوئی اختلاف نہیں جو اصل سے پھر جائے وہ مرتد ہو جائے گا۔ لیکن فقہ میں اختلاف ممکن ہے۔ فقہ کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے مگر شارع علیہ السلام خود ہی تمام اعمال کے احکامات مرتب فرما دیتے تو وہ فقہ نہ ہوتی وہ سب فرض قرار پاتے اور اس طرح دین میں بڑی سختی پیدا ہو جاتی اور طرح طرح کے اشکال پیدا ہوتے۔ اور منشاء الٰہی دین کو آسان بنانا ہے اس لیے فقہی اعمال میں اختلاف کی گنجائش بھی ہے اور آسان بھی

اسی طرح اگر سلوک کے احکامات بھی خود رسول مقبول علیہ الصلوۃ والتسلیم مرتب کرا دیتے تو دین میں اور بھی زیادہ سختی پیدا ہو جاتی جو منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے ان کے بھی استنباط کا حق علمائے باطن کو ہوا اور اگر ان کے طریقوں میں کچھ اختلافات بھی ہوں تب بھی ان کا ثمرہ ایک ہی ہوگا یعنی تزکیۂ نفس۔

شریعت کے عوامل پر عمل ہر مسلمان کے لیے لازم ہے لیکن ان احکامات کے مدارج ہیں یعنی فرض، واجب، سنّت، مستحب، مباح۔ اسی طرح شریعت کے منکرات کے بھی مدارج ہیں۔ یعنی شرک، کفر، حرام قطعی، حرام ظنی و مکروہ تنزیہی وغیرہ۔ سلوک ہر ایک پر فرض نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرض کے درجے میں بھی نہیں ہے۔ اسے عزیمت کہہ سکتے ہیں۔ لیکن چوں کہ ہر عمل کے لیے نیّت میں اخلاص ضروری ہے۔ اس لیے کم از کم صرف نیّت میں اخلاص پیدا کرنے کے لیے صوفیاء کے کسی سلسلہ سے منسلک ہونا فائدے سے خالی نہیں کیوں کہ سلسلہ کی روحانی برکات سے اگر نیّت ہی میں اخلاص پیدا ہو گیا تو یہ بھی خیر کثیر ہے اور سلسلہ کی مروّجہ دعاؤں اور وظائف سے بقدر استطاعت فیض یاب ہونا بھی بڑی برکت کی چیز ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ سلوک کے نتیجہ میں علم مکاشفہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے سلوک کی شرعی حیثیت پر بحث کرنے کے بعد دوسرے مرحلے میں یہ دیکھنا ہے کہ طریقت میں علم مکاشفہ کی کیا اہمیت ہے۔ سالک کا قلب جب مزکیٰ ہو جاتا ہے تو اس میں کشف و الہام کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ عارف کامل، قدوۃ السالکین، محی الدین سیّد شاہ عبد اللطیف معروف بہ قطبؒ ویلور اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں لکھتے ہیں:

"علم مکاشفہ ایک نور ہے کہ طریق حق اور صدق معاملت کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ حقائق اشیاء کی معرفت منکشف ہو جاتی ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات و صفاتِ کاملہ و افعال کی معرفت ظاہر ہوتی ہے[۵]۔ اس علم کو علمِ درایت کہتے ہیں اس حدیث کے حکم کے مطابق کہ جس نے اس پر عمل کیا جس کو وہ جانتا ہے تو خداوند تعالیٰ

---

[۵] امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ لکھتے ہیں کہ اپنے عجز کی معرفت کہ خدا کی ذات ہمارے ادراک سے باہر ہے یہ بھی اس کی ذات کی معرفت ہے۔

اس کو وہ علم بھی دے گا جسے وہ نہیں جانتا' اور آیت کریمہ کہ 'خدا سے ڈرو تو وہ تمہیں وہ علم بھی سکھا دے گا جو تم نہیں جانتے'۔ اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

(فارسی سے ترجمہ)

اس علم مکاشفہ میں ادعیہ، تسبیحات اور ذکر کے طریقے وغیرہ سب شامل ہیں۔

چناں چہ شاہ ولی اللہ دہلوی اپنا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ "مجھ پہ کشف ہوا اور ایک بارگی اسماء حسنیٰ اور آیات عظمیٰ اور ادعیۂ تبرکہ میرے سامنے رکھ دی گئیں کہ یہ عطیۂ الٰہی ہیں۔ لیکن ہر آیت اور اسم اور دعا کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ جس کا قاعدہ نہیں بیان کیا جا سکتا بلکہ علمِ غیب سے اس کا قاعدہ بتایا جائے گا۔ جس کا انتظار کرنا چاہیے۔ چناں چہ استخارہ میں عالمِ غیب سے جو بات ظاہر ہو یعنی غیب سے کون سی آیت، اسم یا دعا کا اشارہ ملتا ہے۔ اسی کو مقررہ طریقہ سے پڑھنا چاہیے۔" (یعنی یہ پڑھنا استخارہ سے معلوم کیا جا سکے گا۔)

(القول الجلی: ص ۱۰۸: فارسی سے ترجمہ)

اور اسی طرح کئی دعائیں ہیں جو مکاشفہ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔ جیسے 'دلائل الخیرات' 'دعائے سیفی' وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز غیر شرعی نہیں ہے اور ان کے فوائد اسی دنیا میں تجربہ سے ثابت ہیں۔ ربّ تعالیٰ کا خاص فیضان اپنے محبوب بندوں پہ ہے کہ اُن کی محبوبیت کو اس طرح اس دنیا میں بھی لوگوں پہ آشکارا فرماتا ہے۔ تاکہ مخلوق اُن سے فیض یاب ہو اور اُن سے ہدایت حاصل کرے۔ اُن کی زندگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کا تعلق اپنے ربّ سے استوار ہو چکا ہے اور وہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ اور حدیثِ قدسی کے مطابق، جو اُن سے محبّت کرے گا وہ بھی انھیں کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ المرء مع من احبّ۔ لیکن اتباعِ سنّت کے بغیر کوئی بھی محبوبیت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیوں کہ بزرگانِ دین کو جو کچھ ملتا ہے وہ سیدِ عالم علیہ الصلوٰت والسلام کی غلامی کا صدقہ ہے اور اگر کوئی پابندِ شرح نہ ہو اور اس سے کسی خرقِ عادت کا ظہور ہو تو اسے استدراج اور شیطانی کرشمہ سمجھنا چاہیے۔

سلوک کے سلسلہ میں تیسری بات یہ ہے کہ وہ دعائیں جو صدیوں تک بزرگانِ دین

پڑھتے چلے آئے ہیں ان میں قدرت کی طرف سے عجیب تاثیر اور مقبولیت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں :

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ جب لوگ دعاؤں اور عزیمتوں پر مداومت کرتے ہیں اور ایک زمانہ تک اس کے ذریعہ تقربِ الٰہی چاہتے ہیں اور اس طرح سے جب وہ اس دارفانی سے کوچ کر جاتے تو ان دعاؤں پہ کمال اعتقاد کے ساتھ دوسرے بھی عمل کرتے ہیں اور اس طرح نسلاً بعد نسل کثرت سے لوگ اس ورد کرتے ہیں اور اس طرح صدیاں گزر جاتی ہیں تو ان دعاؤں کے الفاظ میں ایک طرح کی نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اگر کوئی انھیں الفاظ کے وسیلہ سے خدا کے کرم کا طلب گار ہو تو اس دعا کی برکات اور آثار فوراً ظاہر ہوتے ہیں اور اگر انھیں دعاؤں کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کہیں تو کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک سِرّ ہے اسرارِ الٰہی ہے۔ اس معنی میں صرف دعائے سیفی کو خصوصیت حاصل نہیں ہے بلکہ ہر دعا جو اس طرح سے عمل میں آئی ہو سیفی کا کام کرتی ہے مثلاً دلائل الخیرات جس سے اس زمانہ میں دیارِ عرب میں لوگ اشغال رکھتے ہیں"۔
(القول الجلی: ص ۳۲۰۔ فارسی سے ترجمہ)

چوتھے یہ کہ سالک کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ پہلے وہ کسی مرشد کا تابع ہو جائے تاکہ اس کی نگرانی میں سلوک کو طے کر سکے۔ اس میں یہ بات تو ظاہر ہے کہ مرشد تجربہ کار ہوتا ہے اور وہ سالک کی ہر طرح نگرانی کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں ایک رمز یہ بھی ہے کہ مرشد سے منسلک ہو کر سالک ایک سلسلہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اس طرح اس سلسلہ کی برکات جو مرشد تک پہنچی ہیں اُن سے وہ بآسانی مستفید ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ کہیں سے منقطع نہ ہونا چاہیے۔ یہ فیض ایک برقی رُو کی مانند ہے۔ اگر کہیں سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا تو یہ برقی رو بھی منقطع ہو جائے گی۔ اس میں یہ امر بھی شامل ہے کہ اس سلسلہ میں صدیوں سے جو دعائیں پڑھتے چلے آرہے ہیں ان پر عمل کر کے سالک بہت جلد فائدے اٹھا سکتا ہے۔

نسبت ارادت کے اس تسلسل کی برکت اور اہمیت کا اندازہ حضرت شاہ حبیب اللہ (خلیفۂ سید صبغۃ اللہ خلیفۂ سید وجیہہ الدین علوی گجراتی) کے اس قول

سے لگایا جا سکتا ہے۔

"سبحان اللہ بیعت و ارادت کو کیا شرف و بزرگی حاصل ہے کہ مرید کا ہاتھ بیعت کے وقت کئی واسطوں سے رسول اکرم علیہ الصلوٰت والسلام کے ہاتھ میں ہوتا ہے بشرطیکہ نسبتِ سلسلہ میں کوئی فتور اور کمی نہ واقع ہو اور وہ سلسلہ بے شبہ آں حضرت علیہ الصلوٰت والسلام تک پہنچا ہو۔"

(رایت القلوب: ملفوظات شاہ حبیب اللہ؛ فارسی سے ترجمہ)

اس تسلسل میں جو برکات ہیں ان کا تجربہ ان لوگوں کو ہی ہوتا ہی رہتا ہے جو کسی سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ ہم یہاں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ایک تجربہ پیش کرتے ہیں جو روحانی تسلسل کی اہمیت کے نتیجہ میں فیض رسانی پہ دلالت کرتا ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے فرمایا کہ رمضان میں ایک بار میں نے تلاوتِ قرآنِ مجید کیا۔ پھر میں نے چاہا کہ بجائے دیکھ کر پڑھنے کے کچھ حصہ قرآن کا حفظ کرلوں۔ اس اثناء میں حقیقتِ قرآن سے یہ فیض نازل ہوا کہ سارا قرآن تمہارے سینے میں حفظ ہے لیکن اس کا ظہور ایک شرط سے مشروط ہے۔ کہ تم ایک بار کسی ایسے آدمی کے سامنے قرآن کی تلاوت کرو، جس کی قرأت کا سلسلہ آں حضرت علیہ الصلوٰت والسلام تک پہنچتا ہو۔ جب یہ شرط پوری ہو جائے گی تو حفظ قرآن کے لیے کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی۔"

(القول الجلی: ص ۹۶: فارسی سے ترجمہ)

پانچویں یہ کہ ذکر کے جو بھی طریقہ صوفیاء نے اختیار کیے ہیں وہ غیر مشروع نہیں کہے جا سکتے۔ قرآن میں ذکر کی تاکید ہے اور شارع علیہ الصلوات والسلام نے ذکر کے کسی ایک طریقہ کا پابند نہیں بتایا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مثلاً موجودہ دور میں لوگ ابتدائی دور کی طرح ریاضتِ شاقہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اس دور میں ذکر کا آسان طریقہ بھی اتنا ہی کارگر ہوگا جتنا کہ مشکل طریقہ اگلے وقتوں میں تھا۔ حضرت سید اشرف جہانگیر (متوفی در حدود سنہ ۸۲۹ھ) نے اپنے زمانہ میں سالک اور عام مومنین کے لیے وظائف کا ایک نصاب مقرر کیا تھا اور لکھا ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس عبادت و ریاضت کے لیے وقت زیادہ تھا۔ اب لوگ معاشی مسائل میں گرفتار ہیں اور ریاضت کے لیے اُن کی طرح

وقت نہیں دے سکتے اس لیے اب اگر لوگ اتنے ہی پر عمل کر لیں جتنا انھوں نے بتا دیا ہے تو ان کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا پہلے لوگوں کو زیادہ عمل کرنے پر ملتا تھا۔

(لطایف اشرفی)

حضرت سید اشرف جہانگیرؒ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ آج معاشی مسایل اس سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ اس لیے اب اگر اس سے بھی کم وظائف پر عمل کیا جائے تو وہی نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو اُس وقت زیادہ عمل کرنے پر حاصل ہوتے تھے۔ شرط یہ ہے کہ ان وظائف پر بزرگانِ عمل کرتے آئے ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ اوقات غیر ضروری کاموں میں ضایع ہوں بلکہ آدمی حصولِ معاش اور دوسروں کی حاجت روائی میں مصروف ہوں۔ صوفیاء کے اذکار کی مشروعیت کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ قول اصول پر مبنی ہے۔

"حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے یارانِ حلقہ کو ذکرِ جہری کا حکم دیا۔ اس میں ایک شخص نے ذکرِ جہری کا انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں ذکرِ جہری کو منع نہیں کیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور خود بہ نفسِ نفیس ذکرِ جہری میں مشغول ہو گئے اور نہایت قوت کے ساتھ ضرب لگاتے تھے۔

(القول الجلی: ص: ۱۱۵،۱۱۴ = فارسی سے ترجمہ"

سالک جب راہِ طریقت میں ترقی کرتا ہے تو رفتہ رفتہ صفائے باطن محسوس کرتا ہے۔ اس کے لیے کچھ علامات ہیں۔ سالک ان علامات کا بیان مرشد سے کرتا ہے اور مرشد اس کی معنویت کو بتاتا ہے۔ وہ اصطلاحات کے ذریعہ سلوک کے مقامات کو بیان کرتا ہے۔ جس کے لیے اُسے کچھ ناموں کا انتخاب کرنا پڑتا ہے تاکہ سالک جو محسوس کرتا ہے اس کا بیان لفظوں اور عبارتوں میں کیا جا سکے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ الفاظ و اصطلاحات کو وضع کرے اسی لیے صوفیا کو اصطلاحات وضع کرنی پڑیں۔ اصطلاحات کو وضع کرنے اور عبارت میں مقامات کو بیان کرنے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ ہر دور میں جاہل متصوفا ہوتے رہے ہیں اس لیے صوفیا نے جاہلوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے طریقت کے ان تمام مقامات کا بیان کیا جس کا تجربہ سالک کو ہوتا ہے۔ تاکہ لوگ جاہلوں سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ہر دور میں علماء سوء اور علماء صالح موجود رہے ہیں۔ اگر لوگ علماء سوء کے پھندے میں آجائیں تو اس میں نہ علم کا قصور ہے اور نہ اسلام کا۔ جہالت خود ایک بڑا گناہ ہے۔

سلوک کے لیے بنیادی شرط توبہ کے بعد محبّتِ الٰہی ہے جو مرشد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ قرنِ اول میں صرف رسول اکرم علیہ الصلوات والسلام کی ذات مرجع مسلمین تھی۔ وہی تمام مسلمانوں کے مرشد ہیں۔ اور مرشدِ اعظم ہیں۔ محبّتِ رسول ؐ بذات خود مقصود بھی ہے۔ کیوں کہ بغیر اس محبّت کے محبّت الٰہی نہیں میسر ہو سکتی۔ قرآن میں ہے کہ مومنین رسول ؐ کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ قرنِ اوّل میں صحابہؓ کو محبّت رسول ؐ اور صحبتِ رسول ؐ دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ ارادت میں اصل چیز محبت ہے۔ یعنی محبت و عقیدت کے ساتھ مرشد کی صحبت اختیار کرنا۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم بقدر استعداد فیض حاصل کیا۔ جس طرح اُس دور میں فقہی احکامات کی زیادہ ضرورت نہ تھی اسی طرح سلوک کے احکامات کی تفصیلی ضرورت نہ تھی۔ جس طرح رفتہ رفتہ فقہی احکامات کی ضرورت بڑھتی گئی اسی طرح جب دلوں میں نفاق زیادہ بڑھنے لگا اور جاہل متصوّفین پیدا ہونے لگے تو سلوک کے احکامات کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہوی۔ یہ احکامات ان احوال کے تابع ہیں جو راہِ سلوک میں سالک کو پیش آتے ہیں۔ ان احکامات کا تعلق صفاتِ حسنہ اور حُسنِ اخلاق سے ہے۔ جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ ان صفاتِ حسنہ میں سے سالک پر جب کسی ایک صفت کا غلبہ ہوتا ہے تو اسی لحاظ سے اس کا نام رکھ دیا جاتا ہے یہاں ہم چند احوال کے نام بطور مثال لکھتے ہیں:

محبّت، ورع، تقویٰ، زہد، صبر و شکر، فقر، خوف، رجا، رضا، توکّل وغیرہ اور ان تمام احوال سے متعلق احکام یا اشارے قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ پس یہ کہنا کہ یہ احوال پہلے نہیں تھے۔ بالکل غلط بات ہوگی۔ البتہ انھیں مذکورہ احوال کے سطابق میں مزید اصطلاحات ضرورتاً اور مصلحتاً وضع کی گئیں جن سے جزئیات کا بیان بھی مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً قبض و بسط، صحو و سکر، جمع و تفرقہ، فنا و بقا، تلوین و تمکین وغیرہ

یہ باتیں صوفیاء مقامات کے ذکر میں کرتے ہیں۔ لیکن ان سب کا تعلق احوال سے ہے۔ اگر احوال نہ ہوں تو مقامات بھی نہ ہوں۔ ان کی معنی و مراد کو سمجھ لینے کی بعد شرعی طور پر کوئی اشکال واقع نہیں ہوتا۔

یہ احوال قرن اوّل میں بھی تھے لیکن جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم یہاں قرن اوّل کی صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

ایک حدیث کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں چلتے پھرتے مُردے کو دیکھنا ہو تو ابوبکر رضی کو دیکھو۔"

اس میں حضرت صدیق اکبر رضی کے احوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی کے دل میں دُنیا کی خواہش فنا ہو چکی ہے۔ انھوں نے اپنی تمام مرضی کو رب تعالیٰ اور رسول کریم علیہ الصلوات والسلام کے حضور اسی طرح ہیں جیسے غسّال کے ہاتھ میں مُردہ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اس حال میں زہد و ورع، رجا، رضا، تجرید، تفرید، صبر، شکر، فقر، تقویٰ، توکّل وغیرہ سارے احوال مشمول ہیں۔

اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جس طرح مُردہ کو آخرت کے احوال کا علم ہوتا ہے، حضرت صدیق اکبر کو اسی دنیا کی زندگی میں آخرت کے احوال کا علم ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرے گا وہ بھی آپ رضی کے علم کا کچھ حصّہ پائے گا۔

اس حدیث کا مفہوم ہم نے محض اپنی طرف سے نہیں بیان کیا ہے بلکہ "عوارف المعارف" مصنفہ شیخ شہاب الدین کے بیان کی روشنی میں لکھا ہے۔

آج بھی علمائے باعمل کو باطن میں روحانی تجربات کا احساس ہو سکتا ہے، لیکن عقیدے کی درستی اور عمل میں اخلاص شرط ہے۔ البتہ وہ احوال کی معنویت سے غافل ہوتے ہیں اور ان کو اپنے تجربات کا شعور نہیں ہوتا۔ صوفیاء کے سلوک کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے احوال پر مطلع ہو جائیں۔ احوال سے آگاہی یقین کا سبب بنتی ہے اور یہ آگاہی چوں کہ محض خبری یا کتابی نہیں ہوتی بلکہ تجربات اور مشاہدہ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لیے جتنی یقینی قوت انہیں ہوتی ہے دوسروں کو نہیں ہو سکتی اور اسی لیے اُن کے کردار میں جو بلندی اور پختگی ہوتی ہے وہ دوسروں میں نہیں ہوتی۔ اس لیے سلوک کا ایک بڑا مقصد یقین کی قوت کا حاصل کرنا بھی ہے۔

جواہر السلوک

مجدّدِ جنوب حضرت العلّامہ شاہ محی الدّین سید شاہ عبد اللطیف قادری قطبِ ویلورؒ

ترجمہ و تشریح: ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی رسابق صدر شعبۂ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی۔ مدراس ۔ م کچھوچھہ شریف۔ یو۔پی۔

سولہواں فائدہ

(قوسین میں وضاحتی جملے مترجم نے اضافہ کیے ہیں۔)

مولانا عبدالرحمٰن جامی، کتاب "اشعۃ اللمعات شرح اللمعات" میں لکھتے ہیں کہ:
"حضرت حق کی تجلّیات چار طرح کی ہوتی ہیں: ایک تجلّی علمی عینی غیبی کہ اس میں تجلّی موجودات کے اعیان کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ تجلّی معلومات، موہومات اور خیالات کی صورتوں میں صاحبِ علم پر ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ باوجود اس کے کہ بہ اسی صاحبِ علم کی تجلّیات کی صورتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اس کو تجلّی کا شعور نہیں ہوتا۔
دوم: تجلّی وجودی شہادی جو کہ موجودات کے اعیان کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔
سوم: تجلّی شہودی کہ جو اصحابِ تجلّی کے شہود کی نظر میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ دو طرح کی ہوتی ہے۔
اول یہ موجودات عینی خارجی یا علمی ذہنی سب کسی انوکھے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں اور صاحبِ تجلّی کی نظر میں حق سبحانہٗ کی تجلّیات کو صورتوں میں ظاہر کرتے ہیں۔
دوسرے یہ کہ تجلّی مقیّد یا مطلق بطورِ مثال واقع ہوتی ہے اور وہ تمام موجودات کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اور انوار کی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے یا وہ تجلّی عالمِ مثال کے پرے معانی ذوقی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے یا صورت و معنی سے بھی باہر ہوتی ہے جیسے تجلّیاتِ ذاتی و برقی۔ اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔
چہارم: تجلّی علمی واعتقادی جو فکر یا تقلید کے پردے کے پیچھے اعتقاداتِ مقیّدہ کی صورتوں میں یا اصحابِ تجلّی پر ظاہر ہوتی ہے۔
شیخ اکبر ثانی عبدالکریم جیلی "چہل مواطن" میں لکھتے ہیں: اٹھائیسواں کلمہ تجلّیِ حق کے ظہور سے عبارت ہے۔ اس چیز کے معائنہ سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی جاتی ہے تجلّیات کی تعداد کثیر ہے جن کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ چار اصولوں میں مجتمع ہیں اور وہ ہیں

تجلیاتِ افعال، تجلیاتِ صفات، تجلیاتِ اسماء اور تجلیاتِ ذات۔

تجلیاتِ افعال: اس میں تمہیں قدرتِ الٰہیہ کا تعلق اکوان سے دکھایا جاتا ہے۔ یہ وجود میں احوال، مراتب، مقامات، حرکات وسکنات کے اطوار میں جو ارادہ کے سبب تبدیلی ہوتی ہے اسی کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔

تجلیاتِ صفات: اس میں تمہیں کمالاتِ الٰہیہ کے وہ شیون دکھائی دیتے ہیں جن سے تمہیں گزرنا ہوتا ہے۔ جو جمالی بھی ہیں اور جلالی بھی۔

تجلیاتِ ذات: اس میں تمہیں اسماء و مراتبِ الٰہیہ میں ظاہری کمالاتِ الٰہیہ نظر آتے ہیں۔

تجلیاتِ قدسیہ کے لیے ہم نے ایک علاحدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام ہم نے "المناظر الالٰہیہ" رکھا ہے۔ جس میں ہم نے ایک سو مناظر کا ذکر کیا ہے۔ جو اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہیں اسے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

"گلشنِ راز" کی شرح "مفاتیح الاعجاز" میں لکھتے ہیں کہ:

"تجلی جو صاف شدہ دل کی آنکھ پر ظاہر ہوتی ہے چار قسم کی ہوتی ہے: آثاری، افعالی، صفاتی اور ذاتی۔"

تجلیِ آثاری: وہ ہے کہ حضرتِ حق کو عالمِ جسمانیات، جس کو عالمِ شہادت کہتے ہیں اس کی صورتوں میں صاحبِ تجلی اس طرح دیکھے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ یہ حضرتِ حق ہے خواہ یہ صورت اجسامِ زمین ہو یا آسمانی ہو یا ہردو سے مرکب ہو۔ تجلیِ آثاری کی جتنی بھی صورتیں ہوں اُن میں انسان کی صورت میں دیکھنا سب سے زیادہ اکمل اور اعلیٰ ہے۔

تجلیِ افعالی: وہ ہے کہ حضرتِ حق صفاتِ فعلی میں سے جسے صفاتِ ربوبیت کہتے ہیں کسی ایک صفت میں متجلی ہوتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تجلیاتِ افعالی مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یعنی حضرتِ حق کو روشنی کی صورت میں صاحبِ تجلی دیکھتا ہے (یعنی یہ روشنی ربّانی ہوتی ہے۔) یہ روشنی کبھی سبز، کبھی نیلی، کبھی سُرخ، کبھی زرد اور کبھی سفید ہوتی ہے۔

تجلیِ صفاتی: وہ ہے کہ حضرتِ حق اپنی سات ذاتی صفات میں سے کسی ایک

صفت میں متجلّی ہوتے ہیں۔ یعنی حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام۔ کبھی تجلّی صفاتی نور سیاہ کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ یعنی صاحبِ تجلّی حضرتِ حق کو نور سیاہ میں متمثل دیکھتا ہے۔

تجلّیِ ذاتی: وہ ہے کہ سالک اس تجلّی میں فانی ہوجاتا ہے۔ اسے نہ کوئی علم ہوتا ہے نہ شعور اور ادراک۔

یہ مذکورہ بالا تجلّیاب صاحبِ تجلّی کے اوقات کی صفائی کے مطابق متفرق ہوتی ہیں۔ اگر حضرتِ حق کو دیکھے کہ خود حضرتِ حق ہے تو یہ اتم اور اکمل ہے اس لیے کہ اس امر میں حق خود زیادہ ظاہر و باہر ہے۔ مذکورہ تجلّیات کے سارے مراتب میں حضرتِ حق کو دیکھنا یا خود مظہرِ حق ہوجانا صفائے قلب کے بعد ممکن اور جائز ہے۔ جیاں پہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سُننا کہ انّی انا اللہ رب العالمین اور حدیث کہ رأیتُ ربّی فی احسنِ صورۃٍ اور یہ حدیث کہ من رأنی فقد رأی الحق جوازِ تجلّیات پر سچے گواہ ہیں۔

صاحبِ "مفاتیح الاعجاز" یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

توحیدِ شہودی عیانی وجدانی ذوقی کے تین مراتب ہیں۔

اول یہ کہ حضرتِ حق تجلّیِ افعال کی صورت میں سالک پر متجلّی ہوتے ہیں اور صاحبِ تجلّی سالک تمام اشیاء کے سارے افعال کو افعالِ حق میں فانی پاتا ہے اور کسی مرتبہ اور کسی شئے میں غیرِ حق کو فاعل نہیں دیکھتا ہے اور اس کے غیر کو مؤثر نہیں دیکھتا۔ صوفیا کی اصطلاح میں اس مقام کو مقامِ محو کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت حق صاحبِ تجلّی پر تجلّیِ صفاتی میں ظاہر ہوتے ہیں اور صاحبِ تجلّی تمام اشیاء کو صفاتِ حق میں فانی دیکھتا ہے اور غیرِ حق کی کوئی صفت اسے نظر نہیں آتی اور تمام اشیاء کو صفاتِ الٰہی کا مظہر اور تجلّیِ الٰہی کے ظاہر ہونے کا ظرف سمجھتا ہے۔ اور حق کی صفات کا خود اپنے اندر مشاہدہ کرتا ہے۔ محققین صوفیاء کی اصطلاح میں اسے مقامِ طَمس کہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ حضرت حق اپنی ذاتی تجلّی میں صاحبِ تجلّی پر ظاہر ہوتے ہیں اور سالک تمام اشیاء کو ذاتِ احدیت کی تجلّی کے نور کے پرتو میں فانی پاتا ہے اور وجود کے عدمی تعیّنات توحیدِ ذاتی میں فنا ہونے کے سبب بے نشان ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْن اور کسی چیز کا وجود بغیر حق نہیں ہے۔ یہ سالک پر واضح ہوجاتا ہے اور اشیاء کے وجود کو وجود حق سمجھتا ہے اور عارف کی حق بیں آنکھوں میں کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ کی حقیقت ظاہر ہوجاتی ہے اور وجودِ واجب کے سوا کسی کو موجود نہیں دیکھتا صوفیاء کی اصطلاح میں اسے فنا کہتے ہیں اور اس مقام کا حامل حق کی تمام صورتوں صفتوں اور فعلوں کی تجلّیات کا حامل ہوتا ہے۔

"نقد النصوص" کے مصنف فص شیثیہ میں لکھتے ہیں کہ :

تجلّی کی تین قسمیں ہیں :

ایک تجلّی ذات : اس کی علامت یہ ہے کہ اگر سالک کے وجود سے کچھ بھی باقی رہے تو وہ سطوتِ انوار میں جس کو صعقہ کہتے ہیں فنا ہوجائے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال ہوا کہ انھیں اس تجلّی کے ذریعہ خود سے لے لیا اور فانی کردیا فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ اور اگر اپنے وجود سے کلیتہً منخلع ہوگیا ہو اور فناے وجود کے بعد اس کی حقیقت وجودِ مطلق سے واصل ہوگئی ہو اور نورِ ازل سے ذاتِ ازلی کو مشاہدہ کرے تو یہ خاص خلعت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشی گئی اور یہ وہ شربت ہے کہ خاص انھیں کو چکھایا گیا اور اسی جام کے بقیہ سے ایک گھونٹ آپ کے خواص تبا لحان کو ملتا ہے۔

تجلّی کی دوسری قسم تجلّیِ صفات ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر ذاتِ قدیم اپنی جلالی صفات کو ظاہر کرنی مثلاً عظمتِ کبریا، قدرت، جبروت تو خشوع وخضوع سالک میں پیدا ہوتا ہے۔ بمصداق اذا تجلّی اللّٰہُ لِشَیْءٍ خَضَعَ لَہٗ اور اگر جمالی تجلّیات متجلّی ہوتی ہیں تو سالک میں رافت، رحمت، لطف، کرامت اور سرور و انس پیدا کرتی ہیں۔ اس کے معنے ہرگز یہ نہیں ہے کہ ذاتِ ازل تعالیٰ و تقدس میں کوئی تحوّل و تبدیلی واقع ہوتی ہے کہ کبھی وہ صفاتِ جمالی میں متجلّی ہوتی ہے اور کبھی صفتِ جلالی میں۔ بلکہ اس کی مشیئت اور سالک کے استعداد کے اختلاف کے مطابق صرف اس کی صفتِ جلال اور صفتِ جمال (نہ کہ ذات) ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی اس کا ادراک ظاہر میں ہوتا ہے کبھی باطن میں

تیسرے تجلّیِ افعال ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ مخلوق کے فعل سے قطع نظر کرنا۔

اور خیر و شر اور نفع و ضرر کو مخلوق سے نسبت نہ دینا ہے۔ (یعنی ہر امر میں یہ سمجھنا کہ فاعلِ حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ہے۔) اور مخلوق کی طرف سے مدح و ذم یا مقبولیت یا غیر مقبولیت کو یکساں سمجھنا۔ تجلّیِ فعلِ الٰہی کا مشاہدہ سالک کو اس بات سے معزول کر دیتا ہے۔ کہ وہ فعل کو اپنی ذات سے منسوب کرے۔ (یعنی سالک خود اپنے فعل کو بھی اپنی ذات سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اپنے فعل کو بھی وہ ارادۂ الٰہی کے تابع سمجھتا ہے۔)

پہلی تجلّی جو سالک پر ظاہر ہوتی ہے وہ تجلّیِ افعال ہے۔ (جس کا ذکر اوپر اور تیسرے نمبر پہ کیا گیا ہے۔) اس کے بعد تجلّیِ صفات اور اس کے بعد تجلّیِ ذات۔ تجلّیِ افعال کے ظہور کو محاضرہ کہتے ہیں۔ تجلّیِ صفات کے شہود کو مکاشفہ کہتے ہیں اور تجلّیِ ذات کے شہود کو مشاہدہ کہتے ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ تجلّیِ ذاتی کے مطابق کتاب "انسانِ کامل" کے باب جبل و کیم میں لکھتے ہیں: کہ

یہ تجلّی جو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تھی خود موسیٰؑ کی ذات کے اعتبار سے تھی نہ کہ کوہِ طور پر (یعنی اگرچہ تجلّی کا ظہور کوہِ طور پر ہوا تھا لیکن یہ موسیٰؑ کے لیے تھا اور یہاں اعتبار موسیٰؑ کی ذات کا تھا۔ نہ وہاں موسیٰؑ ہوتے اور نہ باریٔ تعالیٰ اپنی تجلّی کا ظہور کوہِ طور پر کرتا۔) پہاڑ تو عبادت کرنے کے لیے موسیٰؑ کے لیے ایک جگہ تھی اور پہاڑ کا ٹکڑے ٹکڑے ہونا اس بات کی علامت ہے کہ موسیٰؑ نے اپنی ذات کو خدا میں فنا کر دیا تھا اور صعقہ کا مطلب محق اور سحق ہے، تو اس وقت موسیٰؑ نہیں تھے بلکہ صرف ایک بندہ تھے گویا وہ نہیں تھے اور صرف حق باقی تھا، جس کو کبھی زوال نہیں۔ اس حال میں موسیٰؑ نے رب کو نہیں دیکھا (کیوں کہ انھیں خود اپنی ذات کا شعور نہ تھا۔) بلکہ اللہ نے اللہ کو دیکھا وما ثم الا المعبّر۔ اسی معنی میں حق سبحانہٗ نے اس ۲
طرح کلامِ مجید میں اشارہ کیا ہے۔ لن ترانی یا موسیٰ: یعنی جب تم موجود رہو گے (یعنی تمہیں اپنی ذات کا شعور رہے گا۔) تو تم اپنے پاس مجھے نہ پاؤ گے اور جب تم مجھے پاؤ گے تو اس وقت تم خود سے بے خبر ہو جاؤ گے کیوں کہ قدیم کے ظہور کے وقت حادث قائم نہیں رہتا۔ اسی معنی میں جنید نے اشارہ کیا ہے کہ جب حادث قدیم سے ملتا ہے تو حادث کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اسی مقام پہ صاحبِ لمعات کے کلام کا ملخص ہے کہ محبّ محبوب کا سایہ ہے۔ جہاں محبوب جاتا ہے اس کا سایہ اس کے پیچھے ہوتا ہے۔ ع

سایہ از نور کی جدا باشد

چوں کہ سایہ (محب) نور (محبوب) کے ساتھ ہوتا ہے تو وہ بقول حکم رب تعالیٰ کہ انّ ربی علی صراطِ مستقیم: وہ سایہ کبھی صراطِ مستقیم سے الگ نہیں ہو سکتا کہ اس کی پیشانی بحکم ما من دابۃٍ الّا ھو اٰخذٌ بناصیتھا، اس کے (رب کے) قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ راہِ راست سے ہرگز تجاوز نہیں کر سکتا۔ اگر خود آفتاب احدیت (بے پردۂ اسماء و صفات) مطلعِ عزّت سے روشن ہو تو سایہ کا اثر نہ ہوگا کیوں کہ سایہ آفتاب کا ہمسایہ ہوتا ہے۔ آفتاب اس کو بحکم قبضناہ الینا اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ جب خورشید کے سایہ نے صحرا پر اپنا تسلّط کر لیا تو کوئی سایہ دم بھر کے لیے وہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ عجیب بات ہے کہ جہاں آفتاب ہوتا ہے وہاں سایہ نہیں رہتا اور بغیر آفتاب کے سایہ کا بھی وجود نہیں ہوتا۔ ہر چیز کی ایک ذات ہوتی ہے اور سایہ کی ذات شخص ہے اس لیے لازمی طور پر سایہ کی حرکت شخص کی حرکت سے ہے۔

جب تک ہاتھ کی جنبش ہے — سایہ بھی متحرک رہتا ہے
جب سایہ کا وجود ہاتھ سے ہے — تو سایہ اصل وجود نہیں ہے
جس چیز کا وجود خود سے نہیں ہے — اس کو وجود کہنا عقل کے خلاف ہے
وہ وجود جو ذاتِ حق سے قائم ہے — وہ حقیقتاً وجود نہیں ہے بلکہ صرف نام کے لیے وجود ہے۔

شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری ہروی قدس سرہٗ نے کہا کہ جب مخلوق ذاتِ واجب الوجود سے قائم ہے تو وہ مخلوق ذاتِ واجب الوجود میں محو ہو جاتی ہے۔ جب اس کی حقیقت (کدورتِ خلقیت سے) صافی ہو جاتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ انا یا ہیں کا اطلاق اس پر عاریتہً ہے معنی کیا ہے؟ یہی میں اور تو کہنا (یعنی دوئی اور کثرت)۔ اگر حقیقت میں تو ہی ہے تو حق کہاں ہے؟ اور اگر حق ہے تو ایک ہے نہ کہ دو۔

من او ر تو نے آدمی کو دو کر دیا — من و تو کا اعتبار رہا دو تو، تو اور میں او میں اور تو ہے

(من اور تو سے مراد خلق میں تعیّنات سے ہے)) (کیوں کہ وجود جس میں کثرت نہیں ہے اگر وہ خلق ہے تو حق نہیں ہے۔ اگر حق ہے تو خلق نہیں ہے۔)

اس مقام پر جیسا کہ مولانا مولوی رفیع الدین نقش بندی قندھاری اپنے رسالۂ قادریہ میں لکھتے ہیں کہ فنائے ذاتی کو جمع الجمع اور عین الیقین بھی کہتے ہیں اور بقا سے مراد ہے اشیاء کا علم مظہریت اور عینیت کے اعتبار سے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ وجود اور وہ تمام اوصاف جو اس کے تابع ہیں جناب الٰہی سے امانت کے طور پر سالک کو عنایت کیے گئے ہیں لیکن بندہ نے وجود اور اس کے اوصاف کو اپنی ذات سے بطور عصیان منسوب کیا ہے لیکن جب عنایت نامۂ الٰہی اس طرح صادر ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے پاس واپس کردو (اِنّ اللّٰہ یامرکم ان تؤدّوا الامانات اِلیٰ اھلھا) اور سالک نے اس حکم کی تعمیل کی اور اپنے وجود کے تعین، و تشخص کو کالعدم کر دیا اور خود کو تمام کمالات سے خالی سمجھا اور یقین کر لیا کہ ان کمالات میں اس کی ذات کو کوئی دخل نہیں تو فضل الٰہی اس کے شاملِ حال ہو گیا، اور بمقتضائے اذا حییتم بتحیّۃٍ فحیّوا باحسن منھا اور آیۂ کریمہ کہ احسان کا بدلہ سوائے احسان کے کیا ہے؟ اور یہ آیۂ کریمہ کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس کو خیر سے بدل دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موہوم اور فانی ہستی کے بدلے میں کمالاتِ ربّانی سے زندگیٔ جاودانی عطا کر دیا اور اپنے عظمت کی درگاہ میں اس کو جگہ دی۔ یہاں تک کہ اس نے دیکھ لیا کہ وہ حق تعالیٰ کی عنایت سے موجود ہے۔ اور حق تعالیٰ کی حیات ہی سے وہ زندہ ہے اور اسی طرح تمام صفات کے متعلق قیاس کر لو (یعنی بندے کی تمام صفات خدا ہی کا عطیہ ہیں۔) اس وقت وہ متخلّق باخلاق اللہ ہو کر ولادتِ ثانیہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا قول ہے کہ جو دوبار نہیں پیدا ہوا وہ ملکوت السمٰوٰات کا اہل نہ ہوا۔ (یعنی ایک ولادتِ طبعی ہے اس کے بعد بندہ سنِ شعور میں آنے کے بعد اپنے اخلاقِ رذیلہ کو کوشش کر کے اخلاقِ حسنہ سے بدل ڈالتا ہے تو گویا یہ اس کی ولادتِ معنوی ہے جو ولادتِ ثانیہ ہے۔) اور وہ مقامِ احدیت کے لامحدود باغ میں سیر کرتا ہے۔ اور اگر اس کی عمر سرمدی ملے تب بھی اس باغ کی انتہا کو نہ پہنچے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء و شیونات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

نہ تیرے حُسن کی کوئی حد ہے نہ تیرے حُسن کی توصیف میں سعدی کا کلام اپنی انتہا کو پہنچ سکتا ہے۔ پیاسا پیاس سے ہی مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی ہے۔

اس مقام کو حق الیقین کہتے ہیں۔

اس مقام پر علاّمہ میبدی نے 'فاتحۂ ثانیۂ فواتح' میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تیرے اور حق کے مابین جو حجاب ہے وہ نہ آسمان ہے نہ زمین بلکہ حجاب تیری ہستیٔ موہوم ہے جسے تو اپنی ذات سے نسبت دیتا ہے۔

اے دل تو بے فائدہ کیوں لوگوں کے گرد گھومتا ہے
اس امید میں کہ تو تارے کی طرح روشن اور مصفّٰی ہو جائے
تجھ سے کوئی چیز گم نہیں ہوئی ہے جس کی تو تلاش میں ہے
ہاں اس امر میں کوشش کر کے تو خود گم ہو جائے۔

اگر تو نہ ہو گا تو حق تعالیٰ و تقدس ہو گا ہی۔ حدیث قدسی ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ رب کے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ رب تعالیٰ اُسے دوست بنا لیتا ہے۔ اور جب وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان کی طاقت بن جاتا ہے جس سے وہ سُنتا، دیکھتا، کرتا، چلتا اور بولتا ہے۔

ہستیِ حق تمہاری نیستی کے مطابق ظاہر ہوتی ہے شیخ سعد الدین حموی سوار تھے۔ ایک نہر تک پہنچے مگر گھوڑا پانی دیکھ کر چلنے سے رُک گیا۔ لوگوں نے پانی میں اتنی مٹی ڈالی کہ پانی کا رنگ مٹی سے مل گیا۔ اب گھوڑا مٹی سمجھ کر چل پڑا اور پانی کو عبور کر لیا۔ شیخ نے فرمایا جب تک یہ خود کو دیکھ رہا تھا عبور نہ کر سکا۔

اگر تو اپنی ہستی سے غافل نہ ہو گا
تو ہرگز اپنی مراد کو نہ پہنچے گا
اور ظاہری وجود کے سمندر سے نکل کر
اور اہلِ عشق کے مذہب میں تو
ساحل تک نہ پہنچے گا۔
کامل نہ ہو گا۔

اس مقام پر مولانا روم فرماتے ہیں:

ہر در و دیوار کہتی ہے کہ میں روشن ہو
غیر کا عکس مجھ پر نہیں ہے جو کہے کہ میں ہوں
پس آفتاب کہتا ہے کہ یہ روشن آگ
جب میں غائب ہو جاتا ہوں تو یہ ظاہر ہو جاتی ہے

یہ بھی جاننا چاہیے کہ امام ربّانی جلدِ اول مکتوب ۲۸۷ میں بے ہوشیِ تجلّیِ ذاتی کی حقیقت میں فرماتے ہیں کہ مشائخ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ تجلّیِ ذاتی شعور کو زائل کر دیتی ہے اور حواس کو معطل کر دیتی ہے اور ان میں سے بعضوں نے اپنا حال یوں بیان کیا ہے کہ تجلّیِ ذاتی کے ظہور کے وقت دیر تک وہ بے حس و حرکت ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے انھیں مردہ سمجھ لیا اور بعضوں نے تجلّیِ ذات کے بارے میں کلام کرنے سے منع کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تجلّیِ ذات کسی اسم کے پردے میں صاحبِ تجلّی کے وجود کے اثر کے باقی رہنے کے مطابق ہوتی ہے۔ اور وہ بے شعوری اس سبب سے ہو گی کہ اس کے اندر اپنے وجود کا کچھ شعور باقی ہے۔ اگر وہ کلّیتہً فنا فی اللہ ہو جاتا اور بقا باللہ سے مشرف ہو جاتا تو وہ تجلّی اس کو بے شعور نہ بناتی۔ آگ سے وہ جلتا ہے جو اُس کو چھوتا ہے۔ اور جو خود ہی آگ ہو گیا وہ کیسے جل سکتا ہے۔ پہلا آگ کو چھونے والا ہے لہٰذا جل

جاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے۔ دوسرا عین نار ہے تو کیسے جلے گا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ تجلّی جو پردہ میں ہے وہ تجلیِ ذات نہیں ہے اور وہ تجلّیِ صفات ہے۔ تجلّیِ ذات جو صرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے وہ بے پردہ ہے۔ علامتِ پردہ بے شعوری ہے اور بے شعوری دوری کے سبب سے ہے اور بے پردگی دلیلِ شعور ہے اور شعور کمالِ حضور میں ہے۔ کسی بزرگ نے اس صاحبِ تجلّی کے حال کے مطابق جو کہ بالاصالۃ والاستقلال ہے اس طرح فرمایا ہے:

موسیٰ بہوش رفت بیک پرتوِ صفات   تو عین ذات مینگری در تبسّمی

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام صفات کی ایک تجلّی سے بے ہوش ہو گئے اور آپؐ عینِ ذات کو تبسّم کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

تعلیقات از حضرت قطبِ ویلور رحمہ اللہ تعالیٰ

(اصل کتاب میں یہ حصّہ حواشی میں ہے۔ قارئین کی سہولت کے خیال سے مترجم نے اسے تعلیقات کے تحت ترجمہ کیا ہے)

ع ۱ جاننا چاہیے کہ کشف صُوَری ہوتا ہے یا معنوی۔ کشفِ صُوَری سے مراد وہ منکشف ہے جو عالمِ مثال میں حواسِ خمسہ کے ذریعہ حاصل ہو اور وہ مشاہدہ کے طریقہ پر ہے۔ مثلاً ارواح یا انوارِ روحانیہ کو مجسّم صورت میں دیکھنا یا سماع کے طور پر مثلاً سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآنی کلام کا سُننا یا اُسے جرس یا شہد کی مکھی کی آواز میں سُننا کہ حضرت سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو سُنتے اور سمجھتے تھے یا استنشاق کے طور پر جیسے حدیث میں آیا ہے کہ میں یمن کی طرف سے نفسِ رحمان کو پاتا ہوں (یہ اشارہ اویس قرنی کی طرف ہے) از قطبِ ویلورؒ یا ملامست کے طور پر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں کو میرے

کاندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس کی تو میں نے جان لیا جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یا ذوق کے طور پر جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میں دودھ پی رہا ہوں، دودھ میری پیاس سے زیادہ ہوگیا تو جو کچھ بچ رہا اُسے میں نے عمر کو دے دیا۔ اس سے مراد علم ہے۔

اور معنوی کشف سے مراد وہ کشف ہے کہ وہ حقائق کی مجرّد صورتیں ہوتی ہیں۔ ان کے مراتب ہیں جیسے حدس، فتح اور الہام غیر مشاہدہ۔ اس کے علاوہ کشفِ روحیٔ، کشفِ سرّی اور کشف خفی۔ اس کی تفصیل مقدمہ شرحِ فصوص مؤلفہ قیصری کے ساتویں فصل میں دیکھنا چاہیے۔

صہ۲ گلشنِ راز : ۵

ترا تا کوہِ ہستی پیش باقی است — جواب لفظِ اَرِنی لن ترانی ست

یعنی تیری ہستی کا پہاڑ تیرے سامنے (پردہ کے طور پر) باقی ہے اور تیرے ساتھ تو ہی ہے تو اس صورت میں حق اسماء و صفات کے پردے میں پوشیدہ رہے گا اور ان حجوبِ نورانی کی موجودگی میں تم حقیقت کو نہیں دیکھ سکو گے (شرحِ گلشن)

صہ۳ اس معنی سے نبی پر ولی کی تفضیل نہیں ہوتی کیوں کہ ولی کو جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متابعت سے حاصل ہوتا ہے۔ جامی

صہ۴ اس مصرع میں اگر نور کے بجائے شخص ہوتا تو سیاق کلام کے اعتبار سے زیادہ مناسب تھا لیکن نور کا ذکر اس سبب سے ہے کہ جس طرح ایک وجہ سے محب کی نسبت محبوب سے ایسی ہے جیسے سایہ کی نسبت شخص سے اور دوسری وجہ سے یہ نسبت ایسی ہے جیسے سایہ کو نور سے اور یہ دونوں نسبتیں گروہِ صوفیاء کے کلام میں ملتی ہیں۔ جامی

صہ۵ حرکات و سکناتِ سایہ شخص سے مستند اور ظاہر ہے کہ یہ حکم یعنی سایہ کی ذات شخص ہے مثال دینے کے لیے صحیح ہے لیکن ممثلٌ لہٗ کے لیے بطورِ حقیقت ہے کیوں کہ بندہ اور اس کی ساری صفات حق کے وجود سے قائم ہیں۔ جامی

ع۶ اس قیام کو ذوق و وجدان سے سمجھا جا سکتا ہے کیوں کہ تمام مخلوقات حق سے قائم ہیں۔ لیکن اس معنی کا تحقق ذوق و وجدان سے مشروط ہے یعنی عارف کے صفائے قلب

کے مطابق احکامِ وجود، غیریتِ موہوم اور غلبۂ حقیقتِ مطلق کے سبب اس کے حسّی اور معنوی قوتوں کے مطابق ہے۔

۷ یعنی وجود اور توابعِ وجود میں تابع محبوب ہے اور محبوب بمنزلۂ شخص۔

۸ یعنی خودی ضدِّ خدا ہے۔ جب تک اپنی خودی کو بندہ دفع نہیں کرتا وصالِ خدا محال ہے۔

گلشنِ راز : ؎

وصالِ این جایگہ رفعِ خیال است   چو غیر از پیش برخیزد وصال است

(ترجمہ: اس جگہ اپنے اور غیر کے خیال کو دفع کرنا وصال ہے۔ جب غیر خدا کا خیال ختم ہوگیا تو وصال ہوا۔)

بحری کہتے ہیں: ؎

کہتے ہیں جو بے خودی کے بن یار
دیتا نہیں درپن اور دیدار
شرکت کی ہے شب کو بے خودی یاں
یو جیوں کہ اگن او آبِ حیواں
یو جیوں کہ علف او دہور ہی دے
او مال او جیوں کہ چور ہی ہے
میں اس کو قبول کیا آمنّا ! !
کھلتا نہیں مجھ پہ یو معمّا
بے خود سو او کیا آپس کو کھونا
اپنے سو آپس کے ہاتھ دھونا
آپس کو چھپائے جائے جن سوں
لیکن نہ کہ آپنی نین سوں
یو خاک نہ وصل کون ہے قابل
گر ہے تو یہی خودی مقابل

۲

گر گئی جو خودی تو وصل کس پر
یو وصل ہے خاص ملتمس پر
اس وقت میں بے خودی سو ہے کیا
یو خود نہیں نور ہے خدا کا
دے گا او جو اس گلی میں آگا
اس بھانت کی خودی کو جیا گا
گر مجھ کو تو پوچھتا ہے کچھ پند
تو لے یو خودی خدا کی سوگند
جن خاص خودی سوں آشنا ہے
تس پاس خودی نہیں خدا ہے
ہے پوچ خودی ایس یو داتا
بنیا بھی یہی ہے ہور توانا
وہ بیخ یو اس کی پھول ہور ڈال
یو رنگ ہے جوت ہے او جیوں لال

۳

یو پھول یو ڈال بیخ میں ڈال
یو رنگ یو جوت لال میں گال
ہونا ہے اگر تجھے جو وحدت
اس بھانت کو آپنی پچھانت
گر یوں جو نہ کھول جو رہی رے
وحدت میں تمام گھور ہی رے
اس بات کون بول رے حواس سات
جن نفی کر وے لیا ہے اثبات
یو بات بہت کھٹن ہے کہہ تل
ہو کوئی بے دیکھنا اُپر نل!
جب لگ جو یو گیان جلو گر ہے
اس جیو کے جل میں جوں مگر ہے
تب لگ تو یو بے خودی کہاں کی
نا دھرت کی ہے نہ آسماں کی

۴

رہتا نہیں مل یو دو یک جاے
یا بے خودی آئے یا خودی جاے
یو بے خودی یا تو مار لینا
اس سر سوں خودی اتار دینا
کھا زہر آپس تمام کرنا
یو صبح آپس یو شام کرنا
گر یوں بی کرو خودی نہ جاسی
جا یو خودی بے خودی نہ آسی
ہونا اسی سر سو بات دھونا
اس تن کی سگل صفات کھونا
ہونا اسی باز نا بگولا
ہونا اسی لشکری نہ جولا
ہونا نہیں کچھ عجب جو اس پہ
منصور جو ہووے تو مظفر
منصور وہی جو من اچھے سور
جس سورتی پہ تہمی ہے پہ نور
یا من اچھے سو رَبل گبل میں
یو موت حیات لی بغل میں
منصور کو یک نخبان مغرور
ہر یک ہے اپس کے ٹھار منصور
یعنی کہ اپی اپسنچ ہے رے
آپس کی بن اور ہیچ ہے رے

۵

کہتی ہیں کیتک برا میرا شان
کیتک میرے پیرہن میں رحمان
اس بھانت بہت صدا کیئے ہیں
پردے میں انا ادا کیے ہیں
یک بات کہی تو کون اے شاہ
اللہ کی بن کہی انا اللہ
اس اک انا تے سب انا ہے
رونئین تو یو سب انا فنا ہے
اس کی ہے انا اچھت تے روشن
ہے ان کی انا تو جیو نکہ اُترگن
گر اس کی انا جو تاب پیرآئے
اترگن نہ کہ آفتاب او جائے
گر آگ کو گھاس باگ کو مالس
ہووے تو بی ہی خودی آپس پاس
گر یہاں اچھو جان اچھو خودی ہے
آپس سوں نہ یو خودی جدی ہے
تون کیا تو یہی خودی ہے اے پاک
گر گئی یو خودی تو کیا رہی خاک
اصلاً یو خودی نہ آدمی کا
آخوند خدا ہے اس خودی کا
سنسار کو آدمی سے خاصا
ہوا اس میں یہی خودی خلاصا

۶

شاہد ہے اگر وگر ہے عالم
مخدوم کہ اس خودی کی خادم
اس حق میں محققان کی اے یار
منصور کیا کچھ ایک اُپکار!
سو کیا کہ کمال بول دیتا
وحدت کی کواڑ کھول دیتا
بولیا جب انا وہ بات مارو
شرکت کی مٹاونے کی دارو
کیتا نہ کہ اور کچھ سمج کر
رحمت کی ہی جم اوس کی کرچ بھج کر
جیسکوئی جو میں برا کہی ہے
جل میل میں جو پڑا وہی ہے
یا کوئی جو تون پیرا کئی گھٹ
ہلکی پڑے تو بنری ہو سیوٹ
اس روسوں نہ عارفاں دھرے کام
اپی جو آپس کہے نہ بدنام
لیکن جیسے روح صاف ہو کر
دس آئی جو واشگاف ہو کر
نس پہ یو انا تو ہووے ناچار
اُس کا نہ گنہ نہ او گنہ گار
وحدت کون ہے نپٹ نور مطلق
مطلق سوا وکیا یہی انا الحق
اُن سچ جیسے یون سمج ہوا ہے
ہر کام سبج سون سبج ہوا ہے

حاصل کلام!

یہ ہے کہ یہ انا نفسانی علم حصولی نہیں ہے جو آسانی سے زائل ہو جائے یہ علم حضوری ہے اور یہ صرف جذب الٰہی سے زائل ہو سکتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

علمِ حصولی اور علمِ حضوری کا بیان پچیسویں فائدے میں تعلیقات کے ذیل میں کیا گیا ہے۔

ص ۹ کیوں کہ خودی خدا کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور جو حدیثِ قدسی ہے کہ میں نے جس کو قتل کیا میں اس کی دِیَت ہوں اسی سے عبارت ہے۔ اور اسی طرح فانی دنیا کی محبت باقی رہنے والی آخرت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اور یہ آیۂ کریمہ کلّا بل تحبّون العاجلہ وتذرون الآخرۃ اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ہمارے جدّ اور شیخ غوث الثقلین رضی اللّٰہ عنہ نے کہا کہ دنیا کا بدل ہے اور وہ آخرت ہے۔ اور خلق کا بدل ہے اور وہ خالق ہے۔ (یعنی جو اپنی مادّی اغراض کے لیے خلق میں مشغول نہ ہو تو خالق کی یاد کی مشغولیت حاصل ہوتی ہے۔) شاہ ولی اللہ دہلوی الطاف القدس میں لکھتے ہیں کہ وجود عام کی نسبت عالم کے ساتھ نسبتِ جنس اعلیٰ ہے۔ مقیّدات کے ساتھ کہ ایک وجہ سے عین ہے اور ایک وجہ سے غیر ہے اور مقیّد بغیر مطلق کے صورت اختیار نہیں کر سکتا اور چوں کہ حق فانی مخلوق کی دِیَت ہو جاتا ہے تو ہمہ اوست ہی نظر آتا ہے۔ لیکن صورتوں اور اعراض میں نہیں بلکہ صرف وجود میں۔ وجود تو قائم بالذات ہے اور اعراض و صُوَر اسی پہ قائم ہیں۔ اور یہ مقیّدہ صورتیں اور اس کی زاید خصوصیتیں وجودِ عام پہ منسبط ہیں اور اس کی غیر ہیں۔ اس سبب سے وجود عام کو وجودِ منسبط بھی کہتے ہیں۔ اس مقام پہ بحری کہتے ہیں: ؎

جو غیر آپ کو پچھانے او کیوں کرے دشمنی دوانے

(بقیہ ص ۱۲۵ کا مضمون "دُعا کے لیے اہم باتیں)

عیب جوئی کرتے ہو، عیب خود نہیں دیکھتے۔ اللہ سے روزی پاتے ہو، شکر نہیں کرتے۔ مُردوں کو دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیقِ دُعا دے۔
آمین ••

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا

جواہر الحقائق

تصنیفِ لطیف:

ماہرِ علوم دین و طریقت، واقفِ رموزِ معرفت و حقیقت سلطان المشائخین مرشد الانام منبع الکشف و الہام حافظِ قرآن مجدد جنوب حضرت علامہ شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی المعروف بہ قطب ویلور۔ قدس اللہ سرہٗ

نور الدقائق ترجمۂ جواہر الحقائق

ترجمہ و تشریح:

ڈاکٹر حکیم مولوی سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی شفاء ڈسپنسری گڑیاتم

قسط ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا رُوح کی میرے شفاء

•

جب زباں پہ محمدؐ کا نام آگیا
دوستو زندگی کا پیام آگیا
آپؐ کی مدح انسان کیا کر سکے
عرش سے جب درود و سلام آگیا

•

ہر قسم کی تعریف ثابت ہے اُس پاک پالن ہار کے لیے جو ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے۔ اور ہزاروں بار درود و سلام اُس دُرِ بارِ گہر بار خلاصۂ کائنات، فخرِ موجودات، محسنِ اعظم، فخرِ آدمؑ سرورِ عالم، نورِ مجسم، تاجدارِ مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پہ جن کے طفیل و بدولت اسلام کا بول بالا ہوا اور کفر و شرک، ضلالت و فسق کا منہ کالا ہوا۔

کتاب "جواھر الحقائق" کے اس زیرِ نظر ترجمہ کی پچھلی چاروں قسطیں جو اس کے فائدہ اول پر مشتمل تھیں الحمد للہ پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اب اس پانچویں قسط میں اس کے فائدہ نمبر ۲ دو اور نمبر ۳ کے ترجمے کو پیش کرتے ہوئے ہمیں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ حضرات اہلِ علم و اہلِ قلم نے اسے بنظرِ استحسان دیکھا اور سراہا۔ اس سے ہمیں جہاں خوشی محسوس ہوئی وہیں اگلی قسط کے ترجمے کو پیش کرنے کی ہمت بھی بندھی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

زیرِ نظر کتاب "نوادر اللائق" ترجمہ "جواہر الحقائق" کی پانچویں قسط درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔ گو اصل کتاب تو عناوین سے خالی ہے۔ مگر آسانی اور سہولت کی خاطر ہم نے اس ترجمہ کے اندر مطلب کے لحاظ سے عنوانات قائم کر دئے ہیں جو یقیناً حضرات قارئین کے حق میں دلچسپی اور آسانی کا باعث ثابت ہوں گے۔

کتبہٗ حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی

جامع سید محمد اکبر المتقی

فائدہ نمبر ۲

وجود کی چار قسمیں

حضرات صوفیا علیہم الرضوان والتحیہ نے وجود کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ وجودِ خاص۔

۲۔ وجودِ عام۔

۳۔ وجودِ مقیّد باوصافِ وجوبی۔

۴۔ وجود مقیّد باعیانِ امکانی۔

۲: وجودِ خاص

پہلی قسم وجودِ خاص کی ہے۔ اور یہ وجود خاص موجودیت کے ساتھ مستقل ہوتا ہے (عارضی نہیں ہوتا۔) پھر یہ وجود بھی کسی چیز کی شرط کے بغیر ہی ہے۔ جو کسی بھی عمُوم (سرسری اور معمولی) اور تقیّد (قید بندی یا پابندی) کے کسی ایک (جزو) سے بھی مشروط (و موقوف) نہیں ہے۔ نہ تو اس کے ظہور کے لیے قیُود (و پابندیاں) اور تعینات (مقررات و مخصوصات) ہیں۔ (باعتبار) مراتب (و درجہ) کے اور نہ اس کے وجود کی شرط فی نفسہ و فی ذاتہ کی کوئی حد ہے۔

۳: تشریح از مترجم

یہاں وجود خاص سے مُراد وجودِ حقیقی ہے، وجود اعتباری نہیں ہے اور وجود اعتباری درحقیقت وجود حقیقی سے ہی نکلتا ہے۔ اور موجودیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس وجود حقیقی ہر چیز کی تخلیق و نکلنے کا سبب و ذریعہ بھی ہے اور یہ اس کا منشاء بھی۔ اور اسی سے ہر چیز کا وجود و ظہور بھی ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں اس وجود سے وجودِ حقیقی ہی مراد ہے، جو ذات باری تعالٰے ہے اور وجود اعتباری سے یہاں بحث نہیں ہے۔

اوپر مراتب اور درجہ بندیوں پر جو بحث کی گئی تھی اس کے تعلق سے عرض ہے کہ ہر چیز کے دو درجے یعنے مرتبے ہوتے ہیں۔ ایک مرتبۂ اطلاق ہے۔ دوسرا مرتبۂ تقیُد (اس دوسرے مرتبۂ تقیُد کا نام وجود عام بھی ہے جس کی بحث آگے آرہی ہے، وجودِ عام کے عنوان میں۔)

اطلاق کا مرتبہ یعنے مطلق مرتبہ یہ صرف ذات کے مرتبہ کو کہتے ہیں اور وہ یہ مرتبہ ہے کہ جس میں فقط ذاتِ شئی کا لحاظ کیا جائے۔ اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا امر خیال نہ کیا جائے تب بھی اس میں اطلاق کا مرتبہ موجود ہوتا ہے۔ مثلاً جب آپ فقط اس کی ذات کا تصوّر کریں اس کے ساتھ دوسری کوئی صفت یعنے وجہ (چہرہ) کلام (بات) کاتب (لکھنے والا) ضاحک (ہنسنے والا) اسود (کالا) ابیض (گورا) وغیرہ کا تصوّر نہ کریں تب بھی مرتبہ اطلاق کا برابر موجود ہے اور صادق آتا ہے۔ اس مرتبہ کو اصطلاح صوفیا کے نزدیک متفرق ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جیسے مرتبۂ تو لا، مرتبۂ شئی من حیث ھُوَ ھُوَ اور مرتبۂ بلا شرط شئی وغیرہ۔ (تشریح ختم)

ظاہر ہے کہ وجود خاص (تمام) عموم وقیود کی پابندیوں سے پاک و عاری ہے۔ (اور وہ ان عمومی قیود و شروط سے منسلک و بندھا ہوا نہیں ہے۔) اور اسے (اصطلاحِ صوفیا میں:

(۱) ذاتِ بحت (ذاتِ محض) (۲) باطنِ وجود۔ (۳) مبداءالمبادی) (۴) اور اول الاوائل بھی کہتے ہیں۔ (اس طرح وجود خاص کے پانچ نام ہوئے۔)

۴۔ وجودِ عام

یہ انبساط اور عموم کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ (واضح ہو کہ یہاں عموم سے مطلق کُلّیت مراد نہیں ہے۔ بلکہ ہر چیز کے ساتھ شمولیت کا تعلق جزوی حیثیت سے باقی رہتا ہے۔) اور یہ وجود بشرطِ لا شئی (کی قسم سے) ہے۔ (جب کہ وجود خاص بلا شرط شئی کی قسم سے تھا) جو کہ موجود ہے تو وجود افراد کے ساتھ (خواہ افراد و اجناس قدیم ہوں یا حادث) اور موقوف ہے تو (چند شرائط اور) مقیّدات کے ساتھ ــــ اور اس (وجودِ عام) کا دوسرا نام صادرِ اوّل بھی ہے۔ اگرچہ اس غیر زمانی صدور (وقوع) کا تعلق بھی وجودِ خاص ہی سے ہے۔ یہی (علامہ) قونوی قدس سرّہٗ کا مسلک ہے۔

بعض (صوفیا اور مشائخ) کے پاس وجودِ خاص اور وجودِ عام دونوں ایک دوسرے کے عین (ذات) ہیں۔ (گو کہ) ان دونوں کے درمیان (کسی قدر) فرق و اختلاف کا اعتبار بھی کیا گیا ہے۔ جیسا کہ (حضرت شیخ عبدالرحمن جامی قدس سرہٗ کا مسلک ہے۔

واضح ہو کہ (کسی چیز کے) آثار (نشانیاں اور علامتیں) جو کہ (درحقیقت) ان کی ضمیمہ اور شامل کی ہوئی چیزیں ہیں۔ ان کی ابتداء اور ان کا احاطہ اور احکام کا اثر و نفوذ یہ سب وجودِ عام سے متعلق ہیں اور حضرت جامی ضمیمہ کو عینِ واجب اور طبیعتِ مُکل سے تعبیر کرتے ہیں۔

کیوں کہ وہ ضمیمہ وجوبی صورتوں اور امکانیۂ کونیہ میں فعل و انفعال کا مبدأ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وجود مُنبسط (پھیلنے والا وجود) اور ہیولائے عالم بھی اس کا دوسرا نام ہے۔ کیونکہ تمام عالم کی شکلیں اور صورتیں اسی وجود مُنبسط پر اُترتی ہیں۔ (اور شکلیں اختیار کرتی ہیں۔ جس طرح بُلبلے اور موجیں پانی میں پیدا ہوتی ہیں اور اُبھرتی ہیں اور شمع (موم بتی) کی روشنی سے شکلوں کا وجود (عمل میں آتا ہے کہ جو شکل وصورت پر روشنی پڑجائیگی اسی شکل وصورت کا سایہ پڑے گا۔ یا موم پگھلنے پر جس سانچے پر ڈھالو وہ اسی سانچے کی شکل اختیار کرلے۔ اسی طرح تمام عالم کی شکل وصورت کے وجود کا تصوّر کرو کہ وہ اسی وجود مُنبسط پر منحصر ہے۔)

غرض اس وجود منبسط کو (۱) حقیقت الحقائق (۲) حقیقتِ کلّیہ۔ (۳) نفسِ کلّیہ (۴) نفسِ رحمانی (۵) تجلّی ساری فی جمیع الذراری و عملی۔ (یعنے کل اجزاء اور ذرّات میں پہنچ جانے والی اور اثر کرنے والی ایسی تجلّی جو اندھے پن اور گمراہی میں بھی سرایت کرجائے اور اپنا اثر دکھلائے) (۶) خارج و ظاہر وجود۔ (۷) اور وجودِ مطلق کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آگے پُوری تفصیلی نواں[۹] فائدہ نیز تیرھواں[۱۳] اور چودھواں فائدہ وغیرہ میں آرہی ہے۔

۵۔ تشریح مترجم: ظاہر وجود کے مقابل میں باطن وجود بھی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ وجودِ خاص کا دوسرا نام باطن وجود بھی ہے۔ جس کا کوئی تعین اور حد نہیں ہے۔ اور کبھی ظاہر وجود کو ظاہر ممکنات بھی کہتے ہیں۔ اور علّامہ کاشیؒ کی اصطلاح میں اسے وجودِ اضافی سے یاد کیا جاتا ہے۔

(تشریح ختم)

۶۔ وجوبی اوصاف کے ساتھ وجود

تیسرا[۳] وہ وجود ہے جو اوصافِ وجوبیہ کے ساتھ موقوف و منحصر ہے اور اسے وجوبِ واجب اور تجلّیِ اعظم بھی کہتے ہیں۔

۷۔ امکانی اعیان کے ساتھ وجود

وجود کی چوتھی[۴] قسم، یہ وہ وجود ہے جو اعیانِ امکانیہ کے قیود و شرائط کے ساتھ موقوف و منحصر ہے اور اس کو وجود ممکن بھی کہتے ہیں۔ (جیسے ارواح امثال اور اجسام وغیرہ۔)

وجود کی یہ دونوں قسمیں یعنی تیسری اور چوتھی قسم شرطِ شئی کے ساتھ مقید ہے۔ (جب کہ پہلی قسم بلا شرطِ شئے تھی تو دوسری قسم بشرطِ لا شئی تھی اور یہ تیسری اور چوتھی قسم شرطِ شئے کے ساتھ مقید ہے۔) اور ان دونوں قسموں کو یعنی تیسری اور چوتھی کو وجوداتِ خاصّہ اور صوادرِ ثانیہ (دوسری صادرات) بھی کہتے ہیں۔ اور بعض (حضراتِ مشائخ رح) نے ان مراتب کے مجموعہ کو وجود مطلق کہا ہے۔ اور شیخ قدس سرہٗ نے اپنی اصطلاح میں اس وجود خاص کو وجود مطلق بھی کہا ہے۔ غرض یہ ایسی اصطلاحیں ہیں جن میں جھگڑنے اور الجھنے کی بات نہیں ہے۔

کسی چیز کے وجود کا اطلاق اس کے عدمِ تقلید کی (بناءاور) اعتبار پر ہوتا ہے۔ وہ بھی صفاتی اور افعالی قیود و شرائط کے اطلاق پہ منحصر ہے۔ پس حکم کے اختلافات نہ تو اس کی خصوصیت سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ جزئیت سے۔

اور حضرت (شیخ رح) سمنانی قدس سرہٗ کی یہ بھی ناراضگی حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کے ساتھ یہ کوئی قابلِ التفات بات نہیں ہے۔ (کیوں کہ یہ صوفیاء کی اصطلاحات ہیں ان کے مابین کوئی مخاصمت و نزاع نہیں ہے۔ مگر لفظی۔)

۸- فائدہ نمبر ۳

تشریح مترجم۔

(صاحبِ کتاب "جواھر الحقائق" حضرت قطبِ جنوب شیخ المشائخ مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی ویلوری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ نے اس کتاب کے پہلے فائدہ میں علمِ تصوّف و عرفان اور اس کے مبادیات پر تفصیلی روشنی ڈالی تھی۔ پھر دوسرے فائدہ میں تقسیم وجود پر بحث فرمائی تھی۔ اور اس کی چار قسمیں بیان کیں۔ اب تیسرا فائدہ اسی وجود پر قائم کر کے اسے دوسری نوعیت سے سمجھایا ہے۔ اور اس کو اب سات مراتب اور درجہ بندیوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور اس کی پہلی قسم وجودِ خاص کی ہے اور یہ وجودِ خاص ایسا وجود ہے جو کنہ و ادراک سے بھی بالاتر ہے اور حضراتِ دوربین اور کبار صوفیائے نکتہ بین کی فہم و سمجھ سے بھی بالا اور ارفع و

اعلیٰ ہے۔ جنھوں نے اس وجود کے بارے میں اپنی اپنی تحقیق و جستجو کے بعد ہتھیار ڈال دئے اور سب نے اپنے عجز و انکسار کا بیک زبان اقرار کیا کہ کوئی ایک ایسی ذات ہے جو ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہے اور بس : ؎

دُور بینانِ بارگاہِ اَلَستْ　　غیر ازیں پے نہ بُردہ اند کہ ہست

چناں چہ حضرت قطبِ ویلور اقسامِ وجود کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ) (تشریح ختم)

[illegible]

۹. وجودِ خاص بنوعِ دیگر

وجود کی دوسری تقسیم سات مراتب و مقام پہ منحصر ہے۔ (اس کی پہلی قسم وجودِ خاص ہے۔)

جس کا کوئی ظہور نہیں ہے (اور اس اعتبار سے وہ) مجہولِ مطلق بھی ہے۔ بذاتِ خود کامل بھی ہے۔ اور تمام ظاہر و باطن، غائب و حاضر کے منظہروں کا ظاہر کرنے والا بھی ہے۔ (اس کی مثال حضرتؒ نے خشک مٹی سے دی ہے۔ کہ) جس طرح خشک مٹی (سوکھ جانے کی بناء پر) پوری صلاحیت سے عاری اور خالی سمجھی جاتی ہے اور کثرتِ صلاحیت سے مفقود و مُعرّا (خالی اور بے کار) ہوتی ہے۔ بلکہ وہ علمِ اَنّیت، علمِ منظہریّت، علمِ مشہودیت اور علم اشارت و عبارت سے بھی (فعلاً) پاک و بے عیب ہے (قوۃً اور تاثیراً نہیں۔) حالاں کہ علمِ اَنّیت کی قابلیت عـہ پھر بھی اس کے اندر بلا اعتبار و یقین موجود ہے۔ (جیسا کہ سوکھی مٹی میں خمیر کی قابلیت و تاثیر برابر موجود ہے۔ بقول شاعر ؏ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی" کہ جیسے ہی اس پہ پانی پڑ گیا اور ابرِ باراں کی توجّہ مبذول ہوگئی تو پھر اس کے اندر وہی نمی اور تر و تازگی پھر سے پیدا ہوگئی اور بڑے آب و تاب اور قوت سے نمودار ہوگئی۔ حالاں کہ اس سے پہلے وہ اس صلاحیت سے یکسر خالی اور یقیناً عاری تھی۔ اب اس کے خلاف اپنی چھپی ہوئی اور کھوئی ہوئی صلاحیتِ خُداداد کا ثبوت فراہم کر گئی۔ اور یہ وجود کی اس تقسیم کا) پہلا درجہ اور مرتبہ ہے۔ اسے (صوفیاؒ) وجودِ خاص اور غیبِ ھوِیّت بھی کہتے ہیں۔

۱۰۔ تنزلاتِ ستّہ کا اجمالی بیان

اور جس وجود کا ظہور ہوتا ہے وہ

عـہ چناں چہ خمیر کی قابلیت و لیاقت خشک مٹی میں بغیر کسی یقین و بھروسہ کے جس طرح موجود ہے، اسی طرح عطر اور شراب کی لیاقت و قابلیت بھی پھول اور انگوروں میں بلا شبہ موجود ہے۔ ۱۲ منہ

مظاہرِ ستّہ کہلاتا ہے اور اس کو "وجودِ عام" اور "تنزلاتِ ستّہ" بھی کہتے ہیں۔ چناں چہ ان تنزلات میں جب حق سبحانہٗ تعالیٰ کا خصوصی طور پہ ظہور ہو تو (اس کا نام) مظاہرِ علمی ہے۔ اور جب ان کا ظہور حق جلّ شانہٗ کے ساتھ (دیگر) اشیاءِ کونیہ پہ بھی ہو تو (اس کا نام "علمی مظاہر میں عینی) مظاہر" ہے

۱۱۔ تشریح مترجم ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قطبِ بلور قدس سرّہٗ کی تشریح وتفصیل اور بعض کتبِ تصوّف وعرفان کے مطالعہ کے بعد تنزلاتِ ستّہ کا جو نچوڑ وخلاصہ ہے اسے یہاں آپ کے سامنے رکھ دوں۔ چناں چہ "تنزلاتِ ستّہ" کے متعلق تفصیل اور نظرِ عمیق میں جانے سے پہلے ذہن نشین کی خاطر اجمالاً واختصاراً عرض ہے کہ اس کے چھے مقامات اور مدارج ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ذاتِ باری تعالیٰ مع صفاتِ اجمالیہ۔
۲۔ صفاتِ تفصیلیہ مخلوق۔
۳۔ عالمِ ارواح۔
۴۔ عالمِ مثال۔
۵۔ عالمِ اجسام۔
۶۔ انسانِ کامل۔

آگے حضرات صوفیا رحمہم اللہ نے اس کی مختصر وجامع تعریف اور اپنی اصطلاح کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"التنزّل فی اصطلاح الصوفیاءِ ظہور الشیئ مع بقاءِ ذاتہٖ وصفاتہٖ تعالیٰ"

یعنی انسان کے اندر ظہورِ حق اور صفاتِ حق کا آجانا تنزل ہے۔ (تشریح ختم)

۱۲۔ ذاتِ باری تعالیٰ مع صفاتِ اجمالیہ

(۱) جس وجود کے علم کا ظہور اجمالی ہو اور اس کا ظاہر ایک ہو اور تعبیر واشارہ اَنانیّت کے ساتھ ہو جیسے خمیر شدہ مٹی جو اپنے اندر جامعیت بھی

رکھتی ہے، صلاحیت کی کثرت بھی اور اس حیثیت سے اس کے زوال (و خشک ہو جانے کے بعد بھی) وہ قابلیت (اور صلاحیت) رکھتی ہے۔ اور تیسرے مرتبے میں کثرت پیدا کرتی ہے اور داخلی اور خارجی کثرت سے پاک وصاف بھی ہے۔

اور دنیوی چیزوں پر کسی چیز کا ظاہر نہ ہونا۔ اور یہ اس مقام میں ان (صوفی) لوگوں کی آنکھوں سے علمی اور عینی طور پر اوجھل ہونے کے سبب سے ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے اور اسے (مقام) وحدت سے بھی یاد کرتے ہیں۔ اس مقام میں اَنَا شَانُ العِلْمِ وَ اَنَا شَانُ القُدرۃ صحیحُ الحمْل والاطلاق ہے۔ یعنے میں علم کی شان رکھتا ہوں کہنا صحیح بھی ہے اور صادق بھی آتا ہے

۱۳۔ صفاتِ تفصیلیۂ مخلوق

(۲) اور جس وجود کے علم کا ظہور تفصیلی ہو اور اس کا ظاہر ہونا اور معلوم ہونا بہت زیادہ ہو (اس کی مثال حضرتؒ نے اس طرح سے دی ہے۔) جیسے ذہنی تصویروں کے (نقشے اور خاکے) جو اپنے اندر بہت ساری معلومات (اور بسیط تفصیلات) رکھتے ہیں اور یہ دنیوی (شرح و) بسط (اور وسعت وکشادگی) کی اس کثرت، وہبات اور مخلوط اور مرکبات سے پاک ہے اور دنیوی اشیاء پر کسی چیز کے پوشیدہ رہنے سے اس مقام میں ان (صوفی) لوگوں کی علمی آنکھوں پر اس صفت کے ظاہر نہ ہونے کے سبب یہ تیسرا درجہ اور مقام ہے۔ اور اس کو الوہیّت کہتے ہیں۔ اور اس مقام میں اَنَا عَلِیْمٌ وَ اَنَا قَدِیْرٌ صحیح الحمْل والاطلاق ہے۔ یعنے "میں جاننے والا ہوں اور قدرت والا ہوں" کہنا صحیح بھی ہے اور صادق بھی آتا ہے۔

۱۴۔ عالمِ ارواح

(۳) اور عینی مظاہر میں جب ان صوفیاؒ کی آنکھوں پر جو کچھ دیکھنے والی صفت کا وجود ہوتا ہے اور پھر وہ وجود اپنی پہچان اور اپنی مثال کا درک بھی رکھتا ہو، یعنے اپنے ہی نفس کو وہ اپنا جیسا سمجھنے لگے اور عقل سے معلوم کرنے لگے، پھر علامتوں سے بھی سمجھنے لگے اور وہ وسیع بھی ہو کشادہ بھی اور لطافت وکثافت کے مرکبات سے پاک بھی ہو تو یہ (اس قسم وجود کا) چوتھا مقام و مرتبہ ہے اور اس (مقام) کو عالمِ ارواح اور عالمِ عقل

بھی کہتے ہیں ۔

۱۵۔ عالمِ مثال

(۴) اور (وہ وجود) جو خیال کے ذریعہ پہچانا جاتا ہو یعنے خیال سے سمجھتا ہو اور لطافت (وباریکی نزاکت ونرمی) سے ملا ہوا ہو اور جملہ کثافتوں، تجزیہ (ٹکڑے ٹکڑے) تبعیض (حصّے حصے ہونے) بہنے، ڈوبنے، پھٹنے اور مل جانے کے مرکبات سے پاک ہو (یعنے ان کثافتوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ بلکہ وہ اس قدر لطیف و اَلْطَفْ اور باریک ہو، جو کسی طرح بھی اُن سے ملا ہو۔ نہ ہو)

تجرّد (وحدانیت) اور نُورانیت عہ میں عقلی عالمِ بسیط کی مماثلت ہے اور (اسی طرح) مقدوریّت اور محسوسیّت میں حِسّی عالمِ مرکب، کی مشابہت ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان برزخی حدِّ فاصل ہے۔ جو دو طرفہ ہے۔ یعنے ان کے دونوں جانب حدِّ فاصل ہے۔ اور یہ (اس وجود کا) پانچواں مقام ہے اور جسے شریعت نے برزخ نام دیا ہے۔ اور علمائے حکمت (و فلسفہ) کی ایک جماعت نے اسے عالمِ مثال کہا ہے۔

عہ قولہ نورانیت الخ نُورِ حقیقی حق تعالیٰ کی ذات ہے بفحوائے آیت اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اور ہر وہ چیز جو حق کے سوا ہے وہ بھی درحقیقت حق تعالیٰ کا سایہ ہی ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ عالمِ ارواح کو نُورانی کہنا بھی حقیقت میں عالمِ اجسام کے مدِّنظر ہے۔ ورنہ ہر موجود چیز خواہ نورانی ہو یا ظُلمانی، نور والی ہی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ نُور والی نہیں ہے تو پھر موجود بھی نہ ہوگی۔ اور اس کا وجود بھی نہ ہوگا اور خاص کر کسی چیز کو نورانی کہنا یہ غیر پہ نگاہ کرنے کی بنا پر ہے کہ وہ روشن ہے۔ جیسا کہ مولانا الہ آبادی رح کی کتاب "شرحِ فصِّ یوسفی" میں موجود ہے۔ نیز نُور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی تجلّی سے تعبیر ہے۔ وہ بھی اس کے ظاہری نام کے ساتھ۔ کیوں کہ وجودِ عام سے ظاہر ہی مراد لیا جاتا ہے جو کہ تمام دنیوی صورتوں کے لباس میں ملبوس ہے جو جسم کے ساتھ بھی ہے اور روحانیات کے ساتھ بھی۔ اسی طرح کتاب "شرحِ گلشنِ راز" میں موجود ہے۔ ۱۲ منہ رح ۔

یہ پانچوں مقامات (مراتبِ خمسہ ؏) لامکانی ہیں۔

۱۶۔ عالمِ اجسام

(۵) اور (وہ وجود) جو حواس کے ذریعہ پہچانا جاتا ہو اور کثافت سے مرکب ہو اس کو لطافت سے کوئی تعلق نہ ہو) بلکہ تجزیہ (الگ الگ ٹکڑے ٹکڑے) حصّے حصّے، بہ جانے، ڈوب جانے پھٹ جانے اور مل جانے کی صلاحیت وخاصیت بھی رکھتا ہو اور یہ چھٹواں مقام و مرتبہ ہے۔ اور اسے "عالمِ حس" اور "عالمِ اجسام" کہتے ہیں۔

۱۷۔ انسانِ کامل

(۶) اور (وہ وجود) جو تمام مرئیات (ظہور میں آنے والوں) کو جمع کردے اور اس کی یہ جامعیت اس کے اندر بالفعل بھی ہو یعنے فعلی اعتبار سے اس میں جمعیت بھی ہو تو یہ (اس وجود کا) ساتواں مقام ہے اور اس مقام و مرتبہ کو (صوفیاؒ نے) جامع مرتبہ اور "انسانِ کامل" کہا ہے۔

۱۸۔ گیہوں کے پودے سے سبق

(حضرت) جامیؒ فرماتے ہیں کہ ؎

پیرِ دہقاں چو دانہ گندم
در زمیں بہر کشت سازد گم الخ

یعنے کسان جب گیہوں کے دانہ کو زمین میں بوتا ہے تو وہ زمین کے اندر جاکر گم ہو جاتا ہے۔ (فنا ہو جاتا ہے۔) پھر چند ہفتوں میں کثیف مٹی کے نیچے سے وہ ایک ضعیف و نحیف گھاس کی شکل میں اپنا

؏ قولہٗ مراتبِ خمسہ: مکان کی انتہاء فلک الافلاک (آسمانوں) کی حدوں سے گزر کر انتہائے زمین یعنے تحت الثریٰ تک ہے۔ چناں چہ اس حدِ مکان میں جو چیز بھی ہوگی وہ مکانی کہلائے گی اور وہم وخیالی پہاڑ جو عالمِ خیال سے تعلق رکھتا ہے اس کا کوئی مکان نہیں ہے۔ دماغ میں بھی اور دماغ کے سوا بھی اور غیر دماغ میں مکان (جگہ) نہ رکھنا تو ظاہر اور کھلی بات ہے اور اس کے خلاف اگر دماغ میں مکان رکھتا ہو تو لازم آئے گا کہ دماغ پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے سو ایسی بات تو نہیں ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ پانچوں مراتب (مراتبِ خمسہ) لامکانی ہیں۔ اور جب عالمِ خیال لامکانی کے ساتھ متقیّد ہے تو پھر فوقانی مراتب و مقامات بھی بطریقِ اولیٰ لامکانی ہوں گے۔" ۱۲ منہ رح

سر ابھارتا ہے اور جب اسی حال میں اور چند دن گزر جاتے ہیں تو وہ ایک تن آور درخت کی شکل میں بلند و بالا ہوتا ہے پھر اس کے بعد وہ اپنے سر پہ گیہوں کا خوشہ نکالتا ہے۔ جس میں بھیتر ے ترو تازہ دانے موجود ہوتے ہیں۔ آپ جب ان تغیرات اور حالات پہ غور کریں گے تو یقیناً اس بوڑھے کسان سے پوچھیں گے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تونے گیہوں کے دانے کو بویا اور اس سے یہ تغیرات و حالات رونما ہو رہے ہیں۔ تو وہ جواب میں یہی کہے گا کہ ارے یہی تو گیہوں ہے۔ اور گیہوں کی خاصیت ہی ایسی ہے جو کسی بھی انسان سے مخفی نہیں ہے۔ اس میں بڑی ہی قوت اور اَن میٹ طاقت ہے۔ یہ نہ صرف روٹی اور آش پکانے اور ذریعۂ معاش بنانے تک محدود ہے بلکہ اس سے ہوشیار و عقلمند تو بہت سے فوائد اور ترکیبیں نکالتا ہے۔ جب اس کا خوشہ یا بھٹا پختہ اور قابلِ استعمال ہوتا ہے تو کسان اُسے دکان میں لاکر فروخت کرتا ہے یا پھر اس گیہوں کی رسائی دکان تک ہوتی ہے۔ پھر گیہوں تمام انواعِ رزق میں سب سے بلند و اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ غور کرو تو حقیقت میں اس کی یہ شان رفعت و بلندی اس پہ صادق بھی آتی ہے۔ دیکھو تو یہ آدمی کے حق میں ذریعۂ طعام و غذا بھی ہے اور اس کی قوت تاثیر کو دیکھتے ہوے دیگر اغذیہ بھی اس پہ نثار و فدا ہو رہے ہیں۔

یہ مقام و مرتبہ اُسے اپنی ہستی کو مٹانے کے سبب حاصل ہوا ہے۔ گیہوں کا دانہ خود کو زمین میں چھپا دیا، دبا دیا اور فنا ہو گیا۔ پھر چند مراحل کے بعد انسانی جیب سے اپنا سر نکالتا ہے اور نمودار ہوتا ہے۔ اور لوگ اُسے خریدنے کی خاطر بازار آ رہے ہیں اور اپنی جیبوں سے رقم نکالتے ہیں (جوں کہ اس دانہ کے اندر بھی، عجز و انکساری تھی اس لیے وہ اپنے آپ کو فنا کر کے انتقال کرا کے نہال ہونے کا درس دے گیا)۔

سخت اور کھاری زمین میں لالہ و سبزہ اگانے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مٹی میں جب کوئی گھاس اُگی ہو تو اسے انسان نہیں کہتے، عقل نہیں مانتی۔ ہاں علم سے اور عمل سے تدبیر سے حالات بدل جاتے ہیں، جس طرح ایک گھاس (علم و تدبیر کے ذریعہ) گیہوں کی شکل اختیار کرتا ہے (اسی طرح خشک زمین بھی ہموار اور انسانی وجود کی کثافت بھی لطافت میں بدل جاتی ہے) اور نقص و قبائح زائل ہو جاتے ہیں۔ (دیکھیے اس دانے کی ابتدا بھی فنا ہے اور انتہا بھی فنا) چناں چہ وہ ایک ہموار زمین کے اندر داخل ہو کر گھاس کی شکل میں نمودار ہوا۔ (اور مکمل غذا ہونے کے بعد اب چپ چاپ) انسان کے منہ میں داخل ہو گیا۔

اس کے اسی فنائیت کے مرتبہ نے اسے تمام غذاؤں پر فوقیت بخشی (اور سیّد الطعام کے خطاب سے نوازا) اور اسے گیہوں کا نام مناسب بھی ہے اور لائق بھی۔ لیکن حضرت انسان کو دیکھو کہ (وہ اس دانۂ گندم سے سبق نہیں لے رہا ہے۔) اس کی خصلت وفعل الگ ہے اور سیرت الگ ہے۔ (اور یہ دونوں میل نہیں کھاتے) جس طرح گنبدِ دولاب آسمان کے نیچے سیمرغ اور نایاب کیمیا کا حصول مشکل وعنقا ہے اسی طرح انسان کی اس خصلت وفعل اور سیرت کو یکجا پانا مشکل اور بہت مشکل ہے۔

۱۹۔ تشریح از مترجم

حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ نے فائدہ نمبر دو میں وجود کی جو تقسیم کی ہے وہ چار قسموں پر مشتمل تھی۔ پھر مزید وضاحت کی خاطر انھیں دوسرے پیرائے میں سمجھاتے ہوئے فائدہ نمبر تین (فائدۂ سوم) قائم کرکے وجود کو سات قسموں میں بانٹ دیا ہے۔ اس طرح اب اس کے سات مراتب ہوگئے ہیں۔ یعنے (۱) وجودِ خاص (۲) ظہورِ اجمالی۔ (۳) ظہورِ تفصیلی۔ (۴) عالم ارواح۔ (۵) عالمِ مثال۔ (۶) عالمِ اجسام۔ (۷) اور انسانِ کامل۔

پھر ان ساتوں مراتب میں سے وجودِ خاص کو تنزلاتِ ستّہ میں شمار نہیں کیا ہے یا پھر ممکن ہے کہ یہ بھی ظہورِ اجمالی اور ظہورِ تفصیلی کی ملی جلی صورت ہونے کی وجہ اسے نظر انداز کردیا گیا ہو۔ چناں چہ بقیہ وہ چھ مراتب عموماً حضرات صوفیاؒ کے پاس تنزلاتِ ستّہ کے نام سے مشہور ومعروف ہیں ان کے مقام ومرتبے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (تشریح ختم)

یہ آخر کے دونوں مراتب ومقام (یعنے عالمِ اجسام اور انسانِ کامل) مکانی ہیں اور عینی مظاہر کے چاروں مقامات میں (یعنی ظہورِ اجمالی، ظہورِ تفصیلی۔ عالمِ ارواح اور عالمِ مثال) میں اَنَا معلومٌ وَاَنَا مقدورٌ صحیح الحمل والاطلاق ہے یعنے میں جانا ہوا ہوں اور میں قدرت پایا ہوا ہوں کہنا صحیح اور درست بھی ہے اور صادق بھی آتا ہے۔

عہ پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ وجودِ خاص، ظہورِ اجمالی، ظہورِ تفصیلی، عالمِ ارواح اور عالمِ مثال یہ مراتبِ خمسہ کہلاتے ہیں اور یہ سب کے سب لامکانی ہیں۔ ۱۲۔ مترجم عفی عنہ

۲۰۔ تعیین مقام

یہاں ان حقائق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانِ کامل ساتویں مقام اور مرتبہ پر فائز ہے۔ یعنے اس ساتویں مرتبہ ہی ہے۔ لیکن بعض حضرات نے اس ساتویں مقام کو (انسانِ کامل کی جگہ) عالمِ مثال سے تعبیر دی ہے۔ (اور عالم مثال کو ساتواں مقام بتلایا ہے۔) اور بعض کے نزدیک یہ ساتواں مقام برزخ ہے۔ جو موت و حشر کا درمیانی وقفہ ہے۔ (حالاں کہ) یہ دونوں قول ضعیف ہیں اور آخری قول تو حد درجہ انتہائی ضعیف ہے۔ کیوں کہ برزخ کا تعلق عالَمِ معاد سے (آخرت کے عالم سے) ہے اور اگر (ان کی اس بات کے مطابق تھوڑی دیر کے لیے مان لیں کہ) برزخ کا ساتواں مقام و مرتبہ ہے تو ایسی صورت میں (یہ لازم آئے گا کہ) دیگر اخروی مراتب و مقامات جیسے پھر سے زندہ ہونا۔ جنّت اور دوزخ کا آٹھواں، نواں اور دسواں مقام و مرتبہ میں شمار ہوگا۔

الحمد للہ فائدہ دوم و سوم کا ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ //جاری//

ارشاداتِ نبی کریم صلعم

جمیل احمد شریف میسوری
متعلم دار العلوم لطیفیہ، ویلور

- کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنّت کی کنجی ہے۔ ہر کنجی کا دندانوں دار ہونا ضروری ہے، جس سے قفل کھلتا ہے اسی طرح کلمہ توحید کے ساتھ اعمال صالح نہ ہو تو قفل بھی کھلنا مشکل ہے۔
- چار چیزیں انبیاءِ کرام کی سنّت ہے: ۱۔ حیا کرنا۔ ۲۔ عطر لگانا۔ ۳۔ نکاح کرنا۔ ۴۔ مسواک کرنا۔
- وضو کرنے والے کے تمام گناہ پانی کے ساتھ ٹپک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری پانی کے قطرہ ہر عضو کے آخر گناہ کو ساتھ لے کر ٹپکتا ہے۔
- دو وقت آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور کسی دعا کرنے والے کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ ایک اذان کے وقت دوسرے صف آرائی کے وقت۔ موذنوں کی گردنیں قیامت کے دن لمبی ہوں گی یعنی درجات بلند ہوں گے۔
- جب مسلمان آپس میں ملیں تو سلام کریں۔

مجلسِ فاتحۂ اربعین

افضل العلماء مولوی حافظ بشیر الحق قریشی قادری ایم اے، استاذ دار العلوم لطیفیہ

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت کی روحِ پُرفتوح پر ایصالِ ثواب کے لیے ایک مبارک و مسعود مجلس بزیرِ صدارت جانشینِ اوّل عالی جناب سید شاہ ابو محمد عثمان پاشاہ صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ ایم اے ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور بتاریخ ۱۹ ار دسمبر ۱۹۹۴ء بعد نمازِ ظہر، مسجدِ حضرت مکان میں منعقد ہوئی جس میں اعلیٰ حضرت کے مریدین و خلفاء، رشتہ دار و احباب، دار العلوم کے طلباء و اساتذہ، علماء و مشائخ متعدد خانقاہوں کے سجادگان، دینی درس گاہوں کے اساتذہ و منتظمین، روساء و عمائدین، مختلف مکاتبِ فکر کے اصحاب، سیاسی و ملّی تنظیموں کے سرکردہ افراد مقامی و بیرونی حضرات کی ایک کثیر تعداد شریک رہی۔

ساڑھے تین بجے تک حاضرین کرام قرآن مجید کی تلاوت فرماتے رہے اس کے بعد مجلس کی شروعات کلام اللہ کی قرأت اور رسول اکرم ﷺ کی نعت سے ہوئی۔ پھر منظوم و منثور مراثی پڑھے گئے۔ سب سے پہلے جناب شیخ شاہ عبدالرحیم کامی قادری نے اردو زبان میں طویل مرثیہ پڑھا جس میں موصوف نے اعلیٰ حضرت کی سیرت و شخصیت خدمات و کرامات وغیرہ اور آپ کے آباء و اجداد کی تین سو سالہ علمی و روحانی خدمات کا مجملاً تذکرہ پیش کیا۔

آپ کے بعد جناب ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ صاحب، مالک شفا ارڈ سینسری گڑیاتم نے متاثر انداز و لہجہ میں ایک مختصر اور جامع مقالہ پڑھا جس میں اعلیٰ حضرت کی زندگی کے خد و خال کو بڑی خوبی اور جامعیت کے ساتھ پیش کیا۔ آپ نے دو چار منظوم قطعات پیش کیا جن میں سے دو قطعے پیش ہیں۔

واقفِ سرِّ دین عارف باللہ
چل بسے قطبِ دین حق آگاہ
تھام کر دل حکیم افسر نے
سالِ رحلت کہا، حضرتا آہ
۱۴-ھ — ۱۵

شاہ قطب الدین باقر قادری
از فلک آمد ندا خوش آمدی
سالِ رحلت گفت افسر فی البدیہہ
غاب قطب الہند آرے آگہی
۱۴ — ھ — ۱۵

ہند و پاک کے معروف و مقبول شاعر رفیقِ محترم علیم صبا نویدی نے ایک پُرسوز مرثیہ تحت اللفظ میں پڑھا: ؎

آج چہلم ہے اعلیٰ حضرت کا
ہر سو پھیلی ہے درد و غم کی فضا

در و دیوار رو پڑے ہیں آج! وقت کا اب ہے ناتوان مزاج
آج ویلور کا دل ہے خاموش سو گیا جیسے نغمہ ہائے سروش
جن کا مسکن سدا ہو جنت میں جن کا گلشن سدا ہو جنت میں
اور لحد میں ہو نورِ شمعِ ہُدیٰ آج چہلم ہے اعلیٰ حضرت کا

دارالعلوم لطیفیہ کے استاذ و خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا ابو بکر صاحب ملیباری قادری نے بھی فارسی زبان میں ایک مرثیہ پیش کیا جس میں انھوں نے حضرت مرحوم کے علم و عمل گفتار و کردار کے نقوش کو نمایاں اور تاباں کیا اور حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ اور حضرت ذوقیؔ علیہ الرحمہ کی جانب سے اعلیٰ حضرت کی وفات پر خوش آمدید کہنے کو کس قدر حسین اور شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے ملاحظہ کیجیے: ؎

قربیان و ذوقیان گفتند تو خوش آمدید
زندگانی مستعار است آمدید خوش آمدید
ہجرتِ شیخ فضیلت شد نمایاں در اصل
یک ہزار و چہار صد پنجداہ بود روزِ وصل

اعلیٰ حضرت کے خلیفہ و خادم خاص جناب عبدالجلیل صاحب مدراسی نے بھی اردو زبان میں ایک طویل مرثیہ جذباتی لب و لہجہ میں ترنم کے ساتھ پڑھا جس سے سامعین بہت متاثر ہوئے

مراثی و قطعات اور مقالہ کے بعد دارالعلوم لطیفیہ کے استاد و خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد انوار اللہ صاحب قادری لطیفی، سرقاضی ویلور نے ایک اعلان پڑھ کر سنایا جو اعلیٰ حضرت مرحوم کے بعد آپ کی جانشینی اور سجادہ نشینی سے متعلق تھا۔

ویلور دارالسرور میں خاندانِ اقطابِ ویلور کے بانی و مورثِ اعلیٰ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجاپوری کی اولاد میں اعلیٰ حضرت مرحوم آخری چشم و چراغ تھے جن کی ذات گرامی، سجادہ نشینی کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی تھی۔ اب اس وقت اعلیٰ حضرت مرحوم کے برادر خورد حضرت مولانا ابو الحسن سید شاہ محمد طاہر قادری رح کی دو صاحبزادیاں

ہیں ۔ بڑی صاحب زادی مولانا سید شاہ ابو محمد عثمان پاشاہ قادری ایم اے؛ عرف فصیح پاشاہ سے منسوب ہے اور چھوٹی صاحب زادی مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری صاحب عرف ہلال پاشاہ سے منسوب ہے۔

مولانا سید شاہ عثمان قادری صاحب کے فرزندِ عزیز مکرم ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر پاشاہ، خانقاہِ حضرت قطبِ ویلور کے نامزد سجادہ نشین قرار پائے ان کی رسمِ سجادگی ان کی عمر کی پندرھویں بہاریں ادا کی جائے گی۔ اور حضرت مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری ایم اے؛ ناظم دار العلوم لطیفیہ اعلیٰ حضرت مرحوم کے جانشین اول اور حضرت سید شاہ ہلال احمد قادری شطاری صاحب نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ جانشینِ دوّم قرار پائے۔

الحمد للہ! یہ نورانی مجلس احقر کی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔ اور بعد نماز عصر درگاہِ شریف میں تمام سجادگان کی مزارات پر چادرِ گل چڑھائی گئی اور بعد نماز مغرب حاضرینِ مجلس ضیافت سے فارغ ہوئے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔:

فقہ حنفی کی تدوین

• صابر احمد ۔ (بلگام) زمرہ سادسہ : دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان : ویلور

اس مادرِ گیتی نے سینکڑوں افراد کو جنم دیا مگر دنیا نے انھیں ایک قلیل مدت تک یاد رکھا اور بھلا دیا۔ ان ہی افراد میں سے چند ایسی عظیم الشان ہستیاں وجود میں آئیں جس کو دنیا نے ہمیشہ یاد رکھا۔ ان میں سے حضرت امام اعظم **ابوحنیفہ** کا نام سرِ فہرست ہے۔ آپ کی تعلیمات آج ساری دنیائے انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اگر آپ نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا دیا ہوتا تو فقہی دنیا اتنی تیزی کے ساتھ ترقی کی راہوں پر گامزن نہ ہوتی۔ امامِ اعظم کا ہم لوگوں پہ ایک احسانِ عظیم ہے۔ جو کہ انھوں نے خداداد صلاحیتوں کے ذریعہ اپنی علمی قابلیت کو باریک بینی سے فقہی مسائل کو بڑی ہی جانفشانی اور جد و جہد کے ساتھ ایک جگہ پہ جمع کیا جو کہ قدرت کی طرف سے آپ کی ذاتِ پاک میں ودیعت کی گئی تھی۔

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا عظیم کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے۔ بلاشبہ امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہِ اسلامی کو باقاعدہ منظم طریقہ سے مدون کیا۔

فقہ کے لغوی معنٰے "سمجھ" کے ہیں۔ قرآن میں بھی یہ لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں اعمالِ شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے اُن فروعی احکام کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوتے ہیں۔

جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور رنگا رنگ تہذیبوں سے

سابقہ پڑا تو نت نئے مسائل سامنے آئے۔ اسی دور میں اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ کو وہ استطاعت اور قوت عطا فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت اور ذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کیا۔ چناں چہ امام ابوحنیفہ ۱۲۱ھ میں تدوین فقہ کی طرف پوری طور سے متوجہ ہوئے۔

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت متعین کر دی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کما حقہٗ عمل کر سکیں۔ مگر شریعتِ اسلامی کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کے لیے نہیں تھی بلکہ اسے قیامت تک کے لیے نافذ اور جاری رہنا ہے اس لیے ضروری تھا کہ اس کی تدوین کی جائے جو وقتِ تدوین دونوں کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ یعنی اوّل یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس تدوین و ترتیب میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اور اساتذۂ فن شامل ہوں۔ جن کا علم و فضل مسلّم اور زہد و تقویٰ مقبول ہو۔

دوم اس کام کی انجام دہی کے لیے ایسی جگہ کا انتظام کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم و فنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم و جدید عربی و عجمی تہذیب کا سنگم بھی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ نے دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لیے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب و عجم کی تہذیبیں گلے مل رہی تھیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے مسائل کی ترتیب اور اصول و ضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ چالیس علماء اور ائمہ کی ایک جماعت قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کیے گئے، جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آسکتی تھی۔ جب کہ ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام طحاویؒ نے امام مالکؒ کے شاگرد اسد بن فرات کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی مجلسِ تدوینِ فقہ کے متعلق مشہور ہے محدّث وکیع بن الجراح کی رائے ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں غلطی کیسے ہو سکتی ہے جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابویوسفؒ زفرؒ، محمدؒ جیسے قیاس اور اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا، ابن زائدہ، فیض بن غیاث، صہبان اور مندل جیسے ماہرین حدیث قاسم بن معن جیسے لغت عرب کے ماہر داؤد بن نصیر طائی اور فضیل

بن عیاضؒ جیسے زہد و تقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات و فضائل رفقاء اور مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے رہ سکتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا طریقۂ استنباط یہ تھا کہ پہلے ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا اگر کامیابی ہو جاتی تو اس کو معین فرما دیتے۔ اگر کسی طور براہ راست کتاب اللہ سے کوئی سراغ نہ ملتا تو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی تلاش اور جستجو کی جاتی۔ سنتِ رسول اللہ میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اور رائے کیا تھی۔ آپ ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے اور عراقی صحابہ کی مرفوعہ حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو پھر بنا بر فقہ کی روایات کو ترجیح دیتے۔ اگر احادیثِ طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہلِ فتویٰ اور صحابہؓ اور فقہائے تابعینؒ کے فیصلے اور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر صحابہؓ فقہا کا اجماع ہوتا تو اس کو اختیار فرماتے تھے۔ اگر یہاں پر کوئی جواب نہ پاتے تو چوتھے مرحلے پر قیاس کی طرف آتے۔ ان کی روشنی میں مسائل کو حل کرتے، مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی ہے یا غیر تشریعی اس ضمن میں مسائل کے طے کرنے کی ضرورت بھی پڑتی تھی۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ "اہلِ علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کو مبتلا ہونے کا امکان ہے اُن پر غور و فکر کریں تاکہ وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لیے کوئی نئی اور انوکھی بات نہ ہو بلکہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان امور میں کسی نہ کسی وقت مبتلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتلا کے وقت کیا رائے معین کی ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی سوچ کر رکھ دیں۔

مشہور محدث قیس بن ربیعؒ نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کی فوقیت و اوّلیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے کہتے ہیں: "امام ابوحنیفہؒ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس بنا پر امام ابوحنیفہؒ ان تمام فقہی مسائل پر بالتفصیل غور و فکر شروع کیا اگرچہ کہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے، مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوعہ متوقع اور ممکن تھا۔ تدوین مجلس کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے

گرد تمام اراکینِ مجلس بیٹھ جاتے ۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورتِ سوال پیش کرتے لوگوں کے خیالات معلوم کر لیتے ۔ جو کچھ مجلسِ آرا رہوتے ان کو بغور سنتے اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلم بند کیا جاتا ۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تمحیص ہوتی تو نہایت آزادی کے ساتھ بسا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی ۔ سب بحثوں کو سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے ۔ آپ کی رائے اتنی جچی تلی ہوتی کہ سب لوگ اسے بلا تامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رُخ معین ہو جاتا ۔ کبھی ایسا ہوتا کہ اراکین مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو ان کی اختلافی رائے بھی فوراً لکھ لی جاتی ۔ جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث و نظر کے بعد اتفاق رائے سے طے پاتا تو اراکینِ شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھتے ۔

تقریباً بائیس ۲۲ سال کی اس شبانہ و روز سخت محنت و کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلسِ تدوینِ فقہ کا مجموعۂ فقہی تیار ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں آیا ۔ یہ مجموعہ تراسی ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا ۔ جس میں سے اڑتیس ۳۸ ہزار مسائل عبادات کے متعلق تھے اور باقی پینتالیس ۴۵ ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبت سے تھا جن میں انسان کے دنیاوی کاروبار سے متعلق تھیں آئین وضوابط اور معاشیات وسیاسیات کے بارے میں تمام بنیادی اجتماعی امور موجود تھے ۔ یہ مجموعہ ۱۴۴ھ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے ۔ امام صاحب کے ایامِ اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا ۔ حضرت عبداللہ ابنِ مبارک کا قول ہے ۔

میں نے ابو حنیفہ کی کتابوں کو بار بار لکھا ان میں اضافے بھی ہوتے رہے ۔ اس مجموعہ کی تکمیل کے بعد امام ابو حنیفہ اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا ۔ کوفہ کی جامع مسجد میں ایک ہزار شاگرد جمع ہوئے جن میں وہ چالیس علماء بھی تھے جو ابو حنیفہ کی مجلسِ تدوینِ فقہ کے رکن تھے ۔ امام صاحب ان تمام اہل علم سے مخاطب ہو کر کہا :

" میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو ۔ میں نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی ہے کہ لوگ تمہارے نقشِ پا تلاش کریں گے اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے ۔ میں

نے گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت ونادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرنا۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا۔ اگر تم میں سے کسی کو عہدۂ قضاوۃ کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کا اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرنا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں۔ قضاء کا عہدہ اس وقت درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو۔ تم میں سے جو اس عہدے کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرے۔ ہر حاجت مند کی تم تک رسائی ہونی چاہیے پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں پڑھے۔ مسلمانوں کا امیر اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرلے تو اس سے باز پرس کرے۔"

امام ابوحنیفہ کی اس تقریر کے بعد مجموعۂ فقہاء کی حیثیت واضح ہوگئی۔ غالباً اس کے بعد خلیفۂ منصور نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا اور عہدۂ قضا کی پیش کش کی۔ مگر امام صاحب نے قبول کرنے سے صاف انکار کردیا۔ انکار کی صورت میں خلیفۂ منصور نے ۱۴۶ سنہ ھ میں امام صاحب کو قید کردیا۔ لیکن قید کرنے کے باوجود امام صاحب سے خطرہ لاحق تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز تھا۔ طالبانِ دین اسلامی گوشہ گوشہ سے اٹھ کر بغداد کا رُخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت بہت دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ قیدخانہ میں بھی ان کا سلسلۂ درس وتدریس برابر جاری رہا۔ امام محمدؒ جو فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قیدخانہ میں تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب سے جو اندیشہ تھا وہ قیدخانہ کی حالت میں بھی باقی رہا۔ جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری کی حالت میں ان کو زہر دلوادیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ ان کے مرنے کی خبر بہت جلد شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمڈ آیا۔ حسن بن عمارہ جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا۔ نہلاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے واللہ واللہ تم سب سے بڑے فقیہہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت

[بقیہ ص ۲۰۵ پر]

پائے استقامت

ایم۔بی۔ شیخ فضل اللہ
جنجی (سر تور تکہ)
متعلم زمرۂ سادسہ
دارالعلوم لطیفیہ
حضرت مکان
ویلور

یاایہا الذین اٰمنوا الصبروا وصابروا ؕ : اے اہل ایمان صبر کرو اور صبر کراؤ
اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے صبر کی کئی قسمیں لکھی ہیں۔ جس میں سے تین مشہور ہیں :

۱۔ صبر علی الطاعات۔ ۲۔ صبر عن المعاصی۔ ۳۔ صبر علی المصائب

غور سے دیکھا جائے تو صبر کی جتنی اقسام ہیں وہ سب ان تین اقسام میں شامل ہیں۔

صبر علی الطاعات

صبر علی الطاعات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے : اللہ تعالیٰ درمیان ملائک خالقِ کائنات بطورِ تفاخر فرماتے ہیں جو صبر علی الطاعات کا حامل ہوگا اس کو میدانِ قیامت میں بہترین ثمرہ دیا جائے گا۔

صبر عن المعاصی

صبر عن المعاصی کے بارے میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کے اندر اوصافِ حمیدہ کو اس کے خمیر میں خلط ملط کیا ہے وہاں رذائل کا عنصر بھی رکھا ہے۔ جہاں خالقِ کائنات نے قوت و شجاعت کا مادّہ بخشا ہے وہیں ضعف و کمزوری بھی رکھی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال و دولت کی فراوانی بخشی ہے وہیں غربت دے دی۔ ہو بہو ایسے ہی جہاں نیکی، عبادات، ذکر و اذکار، مجاہدے و ریاضتیں بخشی ہیں، ایسے ہی مادّۂ شر، شہواتِ نفسانی، اوہام و ساوس کو جگہ دیا ہے۔ تاکہ خواہشات

نفسانی سے اپنے آپ کو بہت دور رکھ کر نیکی کو جگہ دیں تو جہاں انسان کے دل میں جستجوئے نیکی، آرزوئے خوبی اور بھلائی کی تمنّا پیدا ہوتی ہے، ویسے ہی شریانِ گناہ اپنے مقصد کی تکمیل کی خاطر سر اٹھاتے ہیں۔ جب کوئی بندۂ مسلم اپنی اس خواہش کو دابے رکھے سر اٹھانے نہ دے اور معاصی پر دسترس حاصل کرکے نیکی کرلیتا ہے تو یہ صبر عن المعاصی ہوا جس کے بارے میں محسنِ انسانیت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے لوگوں کا عند اللہ بلند مرتبہ ہے اور خدا کے یہاں اپنے ثمرات ضرور پائیں گے۔

صبر علی المصائب

صبر علی المصائب کے بارے میں ربِّ کائنات کا ارشاد ہے:

وکان الانسان عجولا ۵ انسان کو طبعًا ہم نے عجلت پسند پایا۔
اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان جلد باز ہے۔ عجلت پسندی اس کا شیوہ ہے۔ گھبراہٹ اس کی عادت، جاں بازی سے جوری غموں کا متحمل ہونے سے وہ بہت دور ہے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار آیات کے ذریعہ سے یہ بات واضح کردی کہ جو انسان اپنی فطرت پر قابو پاکر فرامینِ خدا اور رسولِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اور اپنی عادتِ فطری کو چھوڑ کر مصائب پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے مراتب بہت بلند ہیں۔

حدیث میں ہے: ایک بار بہت سا مال نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے آیا۔ لوگ اس مال کی تحصیل کے لیے آئے جس میں آقائے دوجہاں مالکِ قاب وقوسین صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ عنہا بہ ایمائے علی کرم اللہ وجہٗ تشریف لائیں۔ دیکھا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم مال میں مصروف ہیں۔ بہ سببِ حیاء حضرت خاتونِ جنّت واپس آگئیں۔ رسولِ خدا نے ایک طائرانہ نظر حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا پر ڈال لیا تھا۔ تقسیم مال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: اے فاطمہؓ! جب صبح ہوتی ہے تو فرشتہ اعلان کرتا ہے: یا رسول اللہ! اگر آپ کا اشارہ ہو تو ان پہاڑوں کو آپ کے لیے سونا بنادوں، لیکن اے فاطمہ میں نے حیاتِ اخروی کو حیاتِ دنیاوی پر

پر مقدم جانا اور اے فاطمہ دُنیوی مصائب کو ہلکا پھلکا جانتے ہوئے آلام و افکار کی شکایت نہ کرتے ہوئے صبر کو لازم گردانو۔ یقین جانو کامیابی تمہاری ہے اور رفعتِ مراتب کا باعث درجاتِ بلندی کا ذریعہ ہے اور جنّت میں صابرین کا ایک طبقہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ جنّت میں اونچی جگہ رکھیں گے۔

قرآنِ کریم میں ربِّ کائنات کا ارشاد ہے: ہم انسان کو بھوک و پیاس، غربت و افلاس، امراض و افکار کے ذریعہ آزمائش فرمائیں گے اور خود قرآن کا کہنا ہے: جب انسان ان سبھی امتحان میں کامران ہوتا ہے تو زمرۂ صابرین میں شمار ہوتا ہے، جس کا مقام عند اللہ بلند ہی ہوگا۔

پیکرِ صبر حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر طرح ایوب علیہ السلام کی آزمائش کی اور وہ کامیاب ٹھہرے۔ کھیتیاں جلادی گئیں، باغات لٹ گئے، امراض کے انبار پڑ گئے لیکن پائے استقامت میں کیا مجال کہ ذرہ برابر لغزش آئے؟ جب یہ ثابت قدمی خدا نے دیکھا خطابِ صابر و شاکر عطا فرمایا اور اپنے مقربین بندوں میں جگہ دی۔ اسی طرح مجھے ایمان کی راہوں میں بہت ستایا گیا جتنا کہ کسی اور نبی کو ستایا نہیں گیا، لیکن دامنِ صبر کو اپنے دست و پا سے جانے نہ دیا تو خالقِ کائنات نے بذریعہ (وحی) جبرئیل علیہ السلام یہ کہلا بھیجا: اگر آپؐ صابر و شاکر، نرم گفتار، متواضع، منکسر المزاج و لطیف المزاج نہ ہوتے تو یہ قوم آپؐ کے پاس نہ پھٹکتی۔

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا عفت مآب خاتون گزری ہیں۔ انھوں نے فرمایا: کہ انسان درد و غم، رنج و الم کی دنیا میں اسی وقت آگیا جب کہ اس کی تخلیق ہوئی۔ اس لیے ہر حال میں وہ صبر کو لازم کرلے۔

حضرت رضوانہ بن غوث رحمۃ اللہ علیہا صاحب بصیرت، جہاں دیدہ، سرد و گرم چشیدہ تھیں: فرماتی تھیں کہ "خوش حالی میں دبلی و لاغری کو بتانا کفرانِ نعمت ہے۔ حالتِ درد و الم میں پژمردگی دکھانا شکایتِ خداوندی ہے۔ اپنے ذاتی حالات کو پوشیدہ و مخفی رکھ کر مسرت و شکر کا اظہار کرنا بہترین صبر اور عطیۂ خداوندی ہے۔"

(بقیہ ص 131 پر دیکھئے)

الرسول المتبع

وی کے
ابوبکر - امّنکاڈ
کبرلہ
الزمرة السابعة

افضل خلق الله على الاطلاق هم الانبيآء وافضل الانبيآء هم الرسل وافضلهم اولوا العزم وهم خمسة من الرسل ابو البشر آدم عليه السلام وخليل الله إبراهيم عليه السلام وكليمه موسىٰ عليه السلام وروحه عيسىٰ عليه السلام وحبيبه محمد صلى الله عليه وسلم وافضل اولى العزم سيدنا وقائدنا محمّد صلى الله عليه وسلم. فهو سيّد الانبيآء والمرسلين وافضل خلق الله اجمعين

ولد صلى الله عليه وسلم سنة ٢١-٤-٥٧١ عيسوى فى شهر ربيع الاول فى اشرف البلاد واكرم القبائل وافضل البيوت. كما قال صلى الله عليه وسلم "ان الله خلق الخلق فاختار من الخلق بنى آدم واختار من بنى آدم العرب واختار من العرب مضر واختار من مضر قريشا واختار من قريش بنى هاشم واختارنى من بنى هاشم فأنا خيار من خيار من خيار الحديث رواه الحاكم فى المستدرك

ولد صلى الله عليه وسلم مختونا مكحّل العينين مقطوع السرة وبين كتفيه خاتم النبوة وسقط على الارض ساجدا ثم رفع رأسه الى السمآء ووقع عند ولادته عجائب لاتحصى فى آفاق الارض والسمآء خرج منه نور اضائت فيه قصور الشام وغاضت فى الارض بحيرة ساوة واضطربت ايوان كسرى وخمدت نار فارس وما خمدت منذ الف عام وهم يعبدون لها من حين ايقادها وهذه الامور دلائل ظاهرة على ان ولادته ليست كسائر الولادات. وان ذلك المولود ليس كسائر المولودين. وفى اليوم السابع من الولادة ذبح عنه جده عبد المطلب جزورا ودعا له قريشا وسماه محمدا. وكان عمه ابولهب عدوّه الذى انزل الله فى شانه تَبَّتْ يَدَا اَبِى لَهَبٍ

وَتَبَّ اعتق جاریته ثویبة حین اخبرته بولادة سید الانام فرحا بولادته ولزا قیل کما فی صحیح البخاری انه یعطی له فی جهنم ماء من بین اصابعه کما انشد به الحافظ ناصر الدین الدمشقی رضی الله عنه فی کتابه المسمّٰی بالنعمة الکبری علی العالم یقول : ؎

إِذَا كَانَ هٰذَا كَافِرًا جَاءَ ذَمُّهُ — وَتَبَّتْ يَدَا فِي الْجَحِيمِ مُخَلَّدًا
أَتَى أَنَّهُ فِي يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ دَائِمًا — يُخَفَّفُ عَنْهُ لِلسُّرُورِ بِأَحْمَدَا
فَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِي كَانَ عُمْرُهُ — بِأَحْمَدَ مَسْرُورًا وَمَاتَ مُوَحِّدًا

ولو نظرنا ما یجری فی انحاء العالم سیّما فی العرب زمان ولادته لوجدناه فی اقبح القبائح والضلال نشا فیهم رسول الله لم یقع منه شیئ من الزّلات وشبّ والله تعالٰی یحفظه ویحوطه من اقذار الجاهلیة لما یرید به من کرامته ورسالته وهدایة الناس به۔ وکان افضل القوم مروءة واحسنهم خلقا واکرمهم حسبا واحسنهم جوارا واعظمهم حلما واصدقهم حدیثا واعظمهم أمانة وأبعدهم من الفواحش والاخلاق الذمیمة تنزّها وتکرما حتی کان اسمه فی القوم "الامین" امنه کلّ الناس لما جمع الله فیه من الامور الصالحة۔

فلمّا بلغ اربعین سنة بعثه الله تعالٰی نبیا ورسولا وکافة للناس بشیرًا ونذیرًا ۔ قال الله تعالٰی إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا فصعد رسول الله صلی الله علیه وسلم جبل ابی قُبیس فنادی باعلی صوته قبائل قریش وقال لهم انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید آمنوا بالله ورسوله واجتنبوا من الاوثان ایده الله علی اعدائه بالمعجزات الباهرة۔ والمعجزة امر خارق للعادة یدل علی صدق صاحبه واعظم معجزاته القرآن الشریف۔

اعجاز القرآن

کانت العرب عند بعثته فی اعلی طبقات الفصاحة والبلاغة فأعجزهم الله

باعجاز القرآن وتحدّاهم به فقال: وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ وفي مكان آخر فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ فلم يطيعوا على ذلك كما قال تعالى قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا حفل القرآن الكريم بالاكثر من قصص الانبيآء والرسل والصالحين وأخبار الامم الماضية واحوالهم بوجه يطابق لما في كتب اهل الكتاب من اليهود والنصارى مع ان النبيّ نشأ أميّا لا يقرأ ولا يكتب وقومه يعلمون انّه لم يدرّس ولم يتعلم على يد أحد شيئا من العلم فمن اين له هذه الأنباء والمعلومات عن الرسل والامم والانبيآء ان هو الّا وحى من ربّ العالمين ـ كما قال تعالى وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ وقال ايضه وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ

واخبر القرآن ايضه عن امور سيقع في المستقبل وقد وقع كلّها في العالم مثل فلق الصبح وهي كثيرة منها ما أخبر به القرآن عن دولة الروم التى تغلبت الفرس اوّلا قال تعالى في سورة الروم الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ ـ وقد وقع ذلك في زمن الخلفاء الراشدين ـ واخبر ايضًا بما في النفوس وما يضمره الأعداء والمنافقون فيكشف كل ذلك فكان ذلك عجبا قال تعالى وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ـ

عصمته صلّى الله عليه وسلّم

واما عصمته صلّى الله عليه وسلّم فلم يقع منه شيء من الزلّات والأخلاق والأفعال والاعتقادات المذمومة لا قبل البعثة ولا بعده كما يظهر ذلك من حديث هرقل سئل هو ابا سفيان عدوّ الله والرسول حينئذ هل كنتم تتّهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال وهل يغدر فقال لا ـ فلم يستطع له مع كونه اشد العداوة للرسول ان يقول عليه بشيء من العيوب

قال تعالیٰ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ

هل هو بشر مثلنا ؟

ليس صلى الله عليه وسلم بشرا مثلنا تدل عليه الآيات والاحاديث الكثيرة. كان في ريقه وعرقه وشعره وبشره وعينه ويده ورجله وسائر اعضائه بوكته معجزة يخارق العادة. فليس نومه كنومتنا قال صلى الله عليه وسلم ان عيني تنامان ولا ينام قلبي واذا استيقظ فليس بصره كسائر الناس. قال صلى الله عليه وسلم اني لاريكم من ورائي كما اراكم من امامي (بخاري) وليس سمعه كسمعنا فقد سمع صوت خبيب من أبعد مسافة حين يُقتل بقول السلام عليكم يا رسول الله ورد سلامه على المنبر كما في البخاري وكان عرقه صلى الله عليه وسلم اطيب من ريح المسك وكانت الصحابة يجمعونه ويحفظونه ويستشفون به وبشعره مرضاهم روى عن ثمامة رض ان ام سليم رض كانت تبسط للنبي صلى الله عليه وسلم نطعا فيقيل عندها على ذلك النطع فاذا قام النبي صلى الله عليه وسلم أخذت من عرقه وشعره فجمعته في قارورة ثم جمعته في سك قال فلما حضرت انس بن مالك الوفاة اوصى اليّ ان يجعل في حنوطه من ذلك السك قال فجعل في حنوطه (بخاري: ۲: ۹۲۹) و روى عن عثمان بن عبدالله بن موهب قال ارسلني اهلي الى ام سلمة بقدح من ماء وقبض اسرائيل ثلث اصابع من فضة فيه شعر من شعر النبي صلى الله عليه وسلم وكان اذا اصاب الانسان عين او شيئ بعث اليها مخضبة (بخاری ۲: ۸۷۵) قال عبيدة لأن تكون عندي شعرة من شعوره احب اليّ من الدنيا وما فيها (بخاري ۱: ۲۹) و في كليتنا هذه ايضا شعرة من شعوره الشريفة يستخرج من محفظه كل عام في اثني عشر ربيع الاول ويحجه الوف من الناس ويقصدونه من كل فج عميق ويستشفون بالماء المغموس هو فيه

ورد الله عين قتادة رضي الله عنه بمسح النبي صلى الله عليه وسلم بيده الشريف وشفى رمد عين علي بريقه وليس أحد يشبهه حتى الانبياء قال الامام

ابو عبد اللہ محمد بن سعید البوصوری: ؎

فَاقَ النَّبِيِّينَ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ ... وَلَمْ يُدَانُوهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمِ

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ مُلْتَمِسٌ ... غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

اکرمہ اللہ واجلاہ علی سائر انبیائہ ورسلہ ولذا لم یخاطبہ باسمہ الشریف ولکن خاطبہ باوصافہ مثل یاایہا النبی، یاایہا الرسول، یاایہا المزمّل، یاایہا المدثر بخلاف سائر الأنبیاء فقد خطبھم بأسمائھم مثل یاموسیٰ، یاعیسیٰ، یاابراھیم و یانوح - قال الشاعر: ؎

لِإِجْلَالِهِ مَا اللهُ نَادَاهُ بِاِسْمِهِ ... وَمِنْ قَبْلِهِ نَادَى بِأَسْمَائِهِمْ رُسُلَا

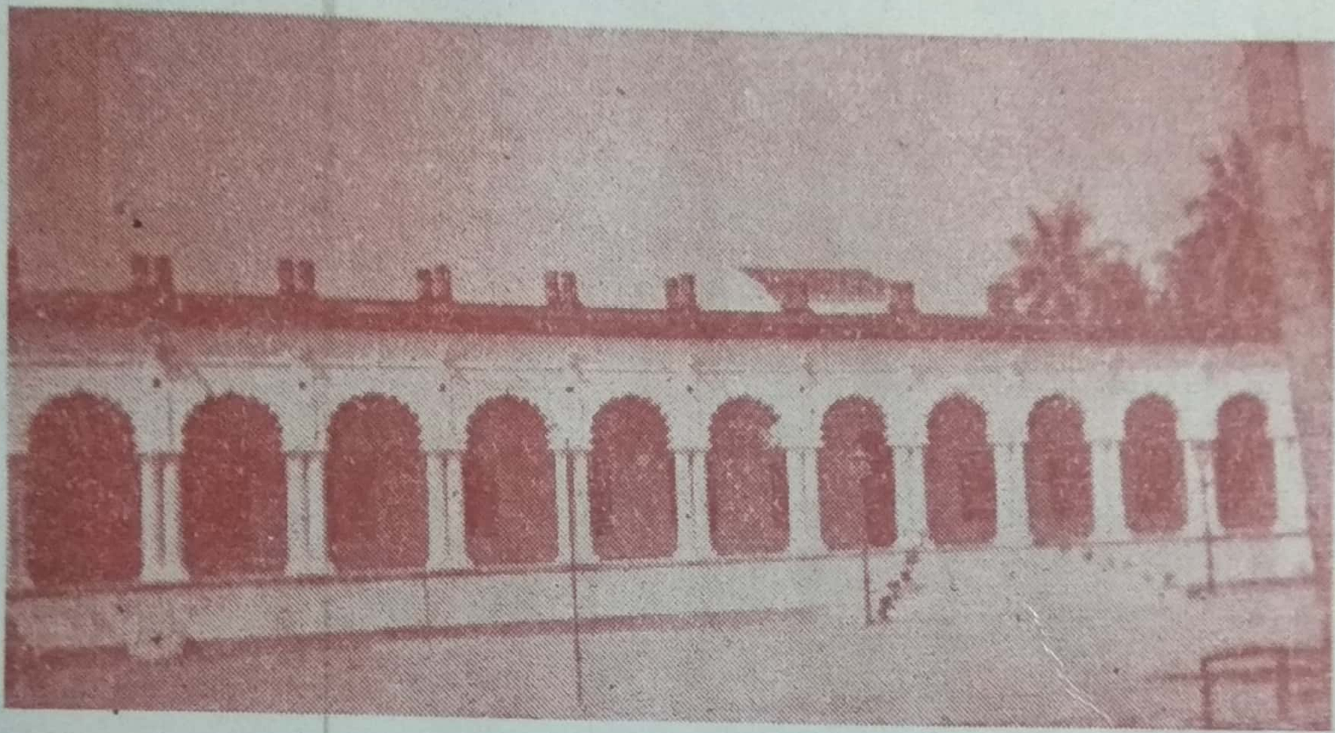
انّ ھذا السیّد الذی داست اُمّتہ تاج کسریٰ کان یرقد علی الحصیر وکان وسادئہ ذراح یدہ وکان یبیت لیالی لا یکتحل بالنوم لقد لبث فی غار حراء لیالی ذوات عدد وقالت عائشۃ ماشبع آل محمد شھرین متتابعین وعن عمرو بن الحارث قال ماترک النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم الاّ سلاحہ وبغلتہ البیضاء و أرضا ترکھا صدقۃ فعلینا ان نتبع جمیع اقوالہ وافعالہ وحرکاتہ وسکناتہ وھو اصل شرفنا ومصدر فخرنا فی ھذا العالم

[بقیہ ص ۱۹۲ کا "فقہ حنفی کی تدوین"]

ہوئی کہ پہلی بار نمازِ جنازہ میں کم وبیش پچاس ہزار کا مجموعہ تھا۔ یہاں تک کہ چھ مرتبہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر تدفین عمل میں آئی۔ امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں۔ کیوں کہ یہ جگہ ان کے خیال میں غصب شدہ نہیں تھی۔ اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیبؒ نے لکھا ہے کہ: دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کی نمازِ جنازہ پڑھتے رہے جو قبولِ عام اس وقت کے امام کو حاصل تھا وہ کس کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام صاحبؒ کے اس مرتب و مدوّن کردہ فقہ کا نام "فقہ حنفی" ہوا جو عالمِ اسلام میں مشرق سے مغرب میں پھیل گیا۔

اللطیف



دارالعلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور کا شاندار بیرونی منظر



مدفنِ اعلیٰ حضرتؒ درمیانِ حضرت ذوقیؒ اور حضرت قربیؒ

دارالعلوم لطیفیہ، مکانِ حضرت قطب ویلورؒ